# دائرۃ المعارف

یعنی

## معارف اعظم گڈھ

کی

## ۴۷ وین جلد

از جنوری سنہ ۱۹۴۱ء تا جون سنہ ۱۹۴۱ء

مُرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

رسول اللہ صلعم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبی عام طور سے مشہور ہی، مسلمانون کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت واہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے،

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہین، پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہی، جس میں فن سیرت کی تنقید وتاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیلِ دین، تاسیس حکومتِ الٰہی، وفات، اخلاق وعادات، اعمال وعبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہی، تیسرے حصہ میں آپکے معجزات وخصائصِ نبوت پر بحث ہی، اسمیں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کیگئی ہیں، پھران معجزات کی تفصیل ہی جو بروایات صحیحہ ثابت ہیں، اسکے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید وتفصیل کیگئی ہی، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہی جو آپکے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہی کہ اس میں قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائیں، پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت، عبادت کی تفصیل وتشریح اور ان کے مصالح وحکم کا بیان ہی اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ وموازنہ ہی، چھٹے حصہ میں حقوق، فضائل، اور آداب کے عنوانوں اور اسکی ذیلی سرخیوں کے تحت اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے، حجم ۶۱۲ صفحے،

قیمت باختلاف کاغذ حصہ اوّل تقطیع خورد للعہ، حصہ دوم تقطیع کلان ستے، تقطیع خورد صہ روپیہ، حصہ سوم تقطیع کلان ستے، للعہ، تقطیع خورد معہ روصہ، حصہ چہارم تقطیع کلان سے روستے، تقطیع خورد سعہ وصہ، حصہ پنجم تقطیع کلان صہ، للعہ، تقطیع خورد صہ روپیہ، حصہ ششم تقطیع کلان قسم اوّل صہ، قسم دوم للعہ،

(منیجر دار المصنفین - اعظم گڈھ)

# فہرست مضمون نگارانِ معارف

## جلد ۴۷

## جنوری سنہ ۱۹۴۱ء تا جون سنہ ۱۹۴۱ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

| شمار | اسمائے گرامی | صفحہ | شمار | اسمائے گرامی | صفحہ |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | سید ابو عاصم دلسینوی | ۲۴، ۵۱، ۵۶، ۶۱، ۱۳۶، ۱۴۷، ۲۱۶، ۲۲۴، ۲۳۲، ۳۰۱، ۳۰۸، | ۵ | سید صباح الدین عبد الرحمن ایم اے رفیق دار المصنفین | ۲۸۶، ۳۹۵، ۴۶۲، ۴۷۲ |
| | | | ۶ | جناب صدالدین الحسنی لکھنو | ۴۰ |
| ۲ | مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم کتبخانہ رامپور، | ۱۳۲ | ۷ | مولانا عبد السلام خانصاحب رامپور، | ۹۷ - ۱۴۳، ۲۸۶ |
| ۳ | نواب صدر یار جنگ بہادر مولنا حبیب الرحمن خان شروانی | ۱۶ | ۸ | مولانا عبد السلام ندوی | ۴۸، ۴۷۷۷ |
| | | | ۹ | جناب غلام مصطفے خان صاحب ایم اے، علیگ امراوتی | ۱۱۶، ۱۶۷ |
| ۴ | سید سلیمان ندوی | ۵۱۲، ۸۲، ۸۵-۱۶۲، ۱۶۵، ۲۰۲، ۲۴۲، ۳۲۲، ۴۰۲ | ۱۰ | مولوی محمد اویس صاحب ندوی | ۲۰۹ |

# فہرست مضامین

## جلد ۴۷

## جنوری سنہ ۱۹۴۱ء تا جون سنہ ۱۹۴۱ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

"جلد ۴۷" ماہ ذیحجہ ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۴۱ء "عدد ۱"

## مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# شذرات

دنیا کی تاریخ میں ایک نئے سال کا اور اضافہ ہوا، لیکن اس اضافہ کا استقبال مسرت کے ترانوں اور خوشی کے نعروں کے بجائے، مظلوموں کی آہوں اور بیکسوں کی فریادوں کے ساتھ ہوا، پوری دنیا اس وقت ایسی کشمکش کے گرداب میں ہے کہ اس کے مستقبل کا فیصلہ مشکل ہو رہا ہے، جو جیت رہے ہیں وہ ہار رہے ہیں جو ہار رہے ہیں وہ برباد ہو رہے ہیں،

لیکن ایک بات پوری طرح ظاہر ہے کہ دنیا میں جو قوم بھی اپنے کو دنیا کی امامت و قیادت کے لئے پیش کرتی ہے وہ جب تک اپنے خون کے سمندر میں خود غوطہ نہیں لگاتی اس منزل کو نہیں پہنچ سکتی، اجتماعی ترقی کا ذریعہ صرف ایک ہی ہے اور وہ جہاد ہے، یعنی ہر پہلو کا جہاد، نفس کا جہاد، مال کا جہاد، علم کا جہاد، عقل کا جہاد، جسم کا جہاد، اور اس راہ میں جان و مال، اولاد و عزیز اور ہر محبوب سے محبوب اور عزیز سے عزیز متاع کی قربانی!

یہ تو مطلق جہاد کی راہ ہے، لیکن جہاد فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں جہاد کی منزلیں تو اس سے بھی زیادہ کٹھن ہیں، اس راہ میں صرف ایثار و قربانی ہی نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ یہ ساری جد وجہد اور قتل و خون کس غرض سے ہو، نسل و قومیت کی برتری،



ملک و حکومت کی سرفرازی، دولت و سرمایہ کی فراوانی، صنعت و تجارت کی گرم بازاری، اشخاص کے بجائے قوموں کی نفسانی خواہشوں کے مظاہر ہیں، اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ مقام ہے جہاں اپنے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے، خدا کے دین کے لئے اور خدا کے حکم کے لئے، قومیں نہیں، بندے اپنے آپ کو قربان کرتے ہیں، کہ اللہ کی بات کا بول بالا ہو، لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا، اور وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ، یعنی دین اور اطاعت صرف خدا کی ہو جائے، دنیا کی عام لڑائیوں اور اسلامی جہاد میں یہی فرق ہے،

موجودہ عالمگیر انسانی مصیبت یورپ کی محدود وطنی و قومی عصبیت کا افسوسناک نتیجہ ہے، ہر قوم اپنی نسلی برتری اور وطنی تفوق کے لئے برسرپیکار ہے، جرمن قوم کی ساری ہنگامہ آرائی اور کشت و خون کا ماحصل کیا ہے؟ صرف ایک کہ پوری جرمن نسل ایک علم کے نیچے جمع ہو کر ساری دنیا پر فرمانروائی کا اختیار حاصل کرلے، ایسی ہی دوسری قومیں ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر اسی قسم کے حق کی دعویدار ہیں، لیکن اسلام کا جہاد قوم کا نہیں، نسل کا نہیں، وطن کا نہیں، زبان کا نہیں، بلکہ پیغامِ حق کی دعوت کا نام ہے،

اسی پیغامِ حق کی متحدہ دعوت کا اثر تھا کہ ہر اسلامی سلطنت میں ہر مسلمان کا حق یکساں تھا، اس کے سایہ میں ہر قوم اور ہر نسل کے لوگ آرام پاتے تھے، پچھلی ترکی سلطنت کے حصوں پر غور کیجئے کہ ایک ہی سلطنت کے اندر ترکی، مصری، شامی، عراقی، کردی، طرابلسی، حجازی، نجدی، یمنی، ہر ملک و قوم کے لوگ بسے تھے، قومیت کا امتیاز اور نسل کا تفرقہ بیچ میں حائل نہ تھا، رفتہ رفتہ یورپ کی قومی و نسلی دعوتوں نے ترکی قوموں کے درمیان نفاق کا بیج بویا، اور قومی امتیازات

اور نسلی تفرقوں کے جذبات کو بیدار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس حکومت کے پرخچے اڑ گئے اور قوموں اور نسلوں کی وہ گرہ جو پیغامِ حق کی دعوت سے بندھی تھی کھل گئی، اور آخر ان میں سے ایک ایک قوم ونسل آسانی سے دوسروں کے ہاتھوں میں جاجاکر گرفتار ہوتی اور اپنی ہستی کھوتی رہی،

---

آج ضرورت ہے کہ ہم پھر اپنی آواز بلند کریں، اور تھکی ماندی دنیا کو بتائیں کہ اس کا امن اور چین قومی ونسلی امتیازات اور تفرقوں میں نہیں، بلکہ پیغامِ حق کے قبول میں ہے، پیغامی برادری قائم ہو، جس میں اُس پیغام کے ہر قبول کرنے والے کو برابر کا درجہ ملے، اور اس پیغام کے مقدار قبول، اور اس کے لئے جدوجہد کی ذمہ داری کے قبول کو حقوق کی کمی بیشی کا معیار بنایا جائے،

---

لیکن یہ پوری طرح یقین کرلینا چاہئے کہ دنیا میں کسی پیغام یا کسی تحریک و دعوت کی کامیابی، اُس پیغام و دعوت کی صرف عمدگی سے نہیں ہوسکتی، بلکہ اُس کے علم برداروں کی جدوجہد، سعی ومحنت، سرگرمیِ عمل اور ایثار و قربانی سے ہوسکتی ہے، دنیا ایک بحرِ رواں ہے، اس بحرِ رواں میں وہی زندہ رہے گا جو خود بھی رواں ہے،

موجیم کہ آسودگیِ ما عدمِ ما
ما زندہ بآنیم کہ آرام نداریم

---

**رحمتِ عالم،** اب تک رحمتِ عالم نے بنگال تک رسائی حاصل نہیں کی تھی، اس ہفتہ اس کے سو نسخے کلکتہ بھیجے گئے، عام مدرسوں میں بھی وہ متعدد شہروں میں داخل کی جارہی ہے

---



# مقالات

## ابوالبرکات بغدادی اور اسکی کتاب المعتبر

سید سلیمان ندوی

"حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ مقالہ دائرۃ المعارف حیدرآباد کے پہلے علمی اجتماع جولائی ۱۹۳۷ء مین عربی مین پڑھا تھا، جو دائرہ کی جانب سے مجموعۂ مقالات کے ساتھ چھپ چکا ہے، مولوی محمد اویس صاحب رفیق دارالمصنفین نے اسکا ترجمہ کیا ہے، (م)

قدرت نے آلِ عباس کو غیر فانی فضیلتیں عنایت فرمائی تھیں، انھون نے ایسی یادگارین چھوڑین جو رہتی دنیا تک باقی رہین گی، اسلام کے لئے بیت الحکمۃ بنایا، علم وفن کا چرچا پھیلایا، تمدن کو ترقی دی اہلِ علم کی قدردانی کی، ان پر انعام واکرام کی بارش کی، بنی امیہ کے عہد مین علم صغر سنی کی منزلین طے کررہا تھا، عباسیون کے زمانہ مین اس پر شباب آیا،

دنیا کی دوسری قومون کے علمی خزانے عربی زبان مین منتقل ہوئے، یونانی علوم وفنون کی موسلا دھار بارش نے بغداد کی زمین کو سرسبز وشاداب بنادیا، فخرِ روزگار علماء وحکماء پیدا ہوئے انہی مین سے فلسفیِ عراق طبیبِ بغداد، یگانۂ روزگار ابوالبرکات ہبۃ اللہ بن علی بن ملکا بغدادی صاحبِ المعتبر ہے، !

عربی زبان مین جو فلسفہ منتقل ہوکر آیا، وہ زیادہ تر مشائین پیروانِ ارسطو کا تھا، جو اسکندرانیون

کی شرحون سے ملا جلا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان شارحون کی رائین ارسطو کی طرف منسوب ہوگئین، اس سے دو قسم کی خرابیان پیدا ہوگئین،

اول یہ کہ مسلمانون نے فلسفہ کو صرف ارسطو کی کتابون مین منحصر سمجھا، فلسفہ کے دوسرے مختلف اسکولون کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی، افلاطون (شیخ ارسطو) کے چند مسائل کے سوا انھون نے معلم اول ہی کو امام مطلق تسلیم کرلیا، اس پر مستزاد یہ ہوا کہ ارسطو کے استاذ افلاطون یونانی اور افلاطون اسکندری الٰہی دونون مین اشتباہ ہوگیا، انھون نے افلاطون ثانی کے خیالات کو اول کی طرف منسوب کردیا،

دوسرے یہ کہ انھون نے ارسطو کے اسکندرانی شارحون کے اقوال کو ارسطو کی نصوص کی طرح سمجھا، اور اس پر اس طرح ایمان لائے، کہ اس مین کسی قسم کی کمی زیادتی کا امکان نہ تھا،!

ارسطو اور افلاطون کے درمیان جمع آراء کا کام سب سے پہلے معلم ثانی محمد بن طرخان ابونصر الفارابی (متوفی ۳۳۹ھ) نے کیا، اوس نے ارسطو اور افلاطون کے نظریات پر ایک مستقل کتاب لکھی، جو علوم فلسفہ مین اس کے رسوخ اور تحقیقی پایہ کی شاہد عادل ہے، یہ کتاب شرح حکمۃ الاشراق مطبوعہ ایران (۱۳۱۳ھ ۱۳۱۵ھ) کے حاشیہ پر چھپی ہے،!

اس رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا، کہ فارابی نے ارسطو اور افلاطون کی جانب ان خیالات کی نسبت کی ہے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہین ہے،! اسکی وجہ یہی ہے کہ اوس نے اسکندرانی شارحون کے اقوال پر اعتماد کیا، نیز اس مین دونون افلاطونون کے التباس کو بھی دخل ہے، کہ لوگون نے افلاطون اسکندرانی الٰہی کو افلاطون استاذ ارسطو سمجھا، حالانکہ دونون مین بڑا فرق ہے، افلاطون اسکندرانی وہ ہے جس نے دین کو فلسفیانہ رنگ دیا، کبھی اس مین کلامی مباحث پیدا کئے، کبھی صوفیانہ گفتگو کی، اور فلسفہ اشراق سے دنیا کو روشناس کیا،!

بہر حال یہود و نصاری کے ذریعہ جو فلسفہ مسلمانون تک پہونچا، وہ خالص فلسفہ نہ تھا، بلکہ انکی



رائین بھی اس مین ملی جلی تھین،!

فلسفہ کا سب سے زیادہ کمزور پہلو فلکیات اور الٰہیات مین ظاہر ہوتا ہے،!

فلکیات تو درحقیقت یونانیون کی کواکب پرستی کا ایک افسانہ ہے، جو فلسفیانہ انداز مین پیش کیا گیا، ان چند وہمی باتون کے سوا اس پر کوئی دلیل بھی نہین میسر آسکی ہے،! مثلاً حرکت افلاک طبائع افلاک، نفوس افلاک اور ان کی تاثیرات کے مسائل وغیرہ،؟

لیکن الٰہیات، یا تو اسکندرانیون کے عقائد کا مجموعہ ہے، اور یا متکلمین یہود و نصاری کے مسائل ہین،! الٰہیات مین ارسطو کے نام سے لوگون کو جو کچھ ملا ہے، وہ درحقیقت اشراقی اسکندرانیون کے خیالات ہین، جو فلسفہ تصوف کی بنیاد کے مانند ہین،! علماء اسی سے دھوکا کھا گئے، یہانتک کہ فاضل اجل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تفہیمات مین اس فریب سے نہ بچ سکے،!

یہی وہ رائین ہین جن کو فارابی نے اپنی نصوص مین جمع کرکے ایک نئے فلسفہ، مذہب یا نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی، اور کچھ نئی باتین بھی فلاسفہ اسلام کے خیالات سے لیکر اس مین شامل کردین، یہی چیز بڑھتی رہی، اور رفتہ رفتہ ایک درخت کی دو شاخیں بنکر ظاہر ہوئین، یہی دونون شاخین فلسفیانہ تصوف، اور الٰہیات فلاسفہ اسلام ہین،! مجلس اخوان الصفا کی ساری کوشش درحقیقت ان چیزون اور نصوص دینیہ کے درمیان تطبیق کے لئے تھین،!

جب عباسیون پر زوال آیا، فارس مین دیلمی حکومت قائم ہوئی، اور ان لوگون نے اپنے چہرہ پر تشیع کی نقاب ڈالی، اس وقت ان کے عہد مین اس فلسفہ کا بازار گرم ہوا، حکمران ان کی امداد کو اٹھ کھڑے ہوئے،! اس کے بعد سلجوقیون کا دور آیا، انھون نے دیلمیون کے نشانات تک مٹا ڈالے، ان کی دینی اور سیاسی کھلی اور چھپی ہر چیز کو فنا کے گھاٹ اتار دیا، اس وقت ان لوگون نے پہاڑون کا راستہ لیا، وہان جا کر چھپے اور ایک دینی فلسفہ کو گڑھا، اس چیز کو حکیم ناصر خسرو نے زاد المسافر اور اپنی دوسری

کتابون مین ظاہر کیا ہے!

شیخ الرئیس بو علی سینا کے والد نے مصریون کی دعوت قبول کر لی تھی، ان کا شمار اسماعیلیون مین تھا. جیسا کہ خود ان کا بیان ہے، اور طبقات الاطبا مین ابن ابی اصیبعہ نے بھی یہی لکھا ہے، ان ہی سے انہون نے نفس اور عقل کے بارے مین ان کے عقیدہ کی گفتگو سنی اسی طرح شیخ الرئیس کے بھائی بھی اسماعیلی تھے جب یہ دونون آپس مین فلسفیانہ گفتگو کرتے، تو شیخ الرئیس ان کی گفتگو سنتے، اس کے بعد وہ ابو عبداللہ الناتلی کے پاس بخاری گئے، ان کو تفلسف کا دعوی تھا، غالبًا یہ بھی اسماعیلی داعی تھے، ابن سینا نے ان سے علوم فلسفہ اور ریاضی حاصل کیا،

پھر ابن سینا نے یہ خیال ظاہر کیا، کہ اس نے الٰہیات مین جو کچھ پڑھا ہے، اس کو سمجھا نہیں، آخر مین ابو نصر فارابی کی کتاب جو الٰہیات مین تھی، اس کے سامنے پیش کی گئی، اس وقت اس پر علوم الٰہیہ کے دروازے کھلے، اور اوس نے نئی الٰہیات کی بنا ڈالی، اور اوس مین فلاسفہ کے عقائد اور اسماعیلی متکلمین کی رایون کو خلط ملط کر کے پیش کیا

یہ تاریخ فلسفہ اسلام کا ایک مختصر خاکہ ہے، جو ہم نے اس غرض سے پیش کر دیا، کہ اس راہ کی تاریکی کسی قدر چھنٹ جائے،!

فلسفہ کے فرنگی مورخون نے فلاسفۂ اسلام پر سخت تنقید ین کی ہین، کہ انھون نے کوئی نئی چیز نہین پیدا کی، بلکہ اپنی ساری عمر ارسطو کی پیروی اور اسکی تصانیف کی شرح و اختصار مین صرف کر دی، بعض بزرگون نے تو یہان تک کہہ دیا، کہ مسلمان ارسطو کی گاڑی کے قلی تھے،! مین نے اس بہتان کی پوری تردید اپنے ایک مضمون مین کر دی ہے، جو آج سے دو سال پیشتر اسلامک کلچر مین شائع ہو چکا ہے،

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، کہ مسلمانون کے فلسفہ کے دو ممتاز دور ہین، پہلا دور دوسری صدی ہجری سے چوتھی صدی ہجری ابن سینا تک، دوسرا اس وقت سے لیکر بارھوین صدی ہجری تک، بارھوین



صدی ہجری مین درحقیقت مسلمانون کا آفتاب حکمت غروب ہو گیا، اور ان کے فلاسفہ کسی شمار مین نہ رہے،!

ہماری راے مین ابن سینا سے پہلے کا دور مسلمانون مین فلسفہ کا عہد زرین ہے، اس زمانہ کے فلاسفہ فلسفہ کے تمام مذاہب سے واقف تھے، اور اسکو غیر منسوخ دین اور جامد چیز نہ جانتے تھے، وہ خود اپنی ذاتی راے رکھتے تھے، غور و فکر کرتے تھے، اسمین نئی چیزین پیدا کرتے تھے، دوسرون کے اقوال پر تنقید کرتے تھے لیکن ان کے فلسفہ مین دین کا رنگ بھی ہوتا تھا، اس لئے وہ فلسفی کے نام سے مشہور نہ ہوئے، بلکہ بیشتر متکلمین اول یا متکلمین معتزلہ کے نام سے دنیا مین روشناس ہوئے، مثلاً علاف، نظام، جاحظ وغیرہ، بدنصیبی یہ ہے، کہ ان کے مسائل گردش روزگار کی نذر ہو گئے، اور آج ان کا نام و نشان بھی نہین ملتا، مقالات و ملل کی کتابون مین جو مختصر مصالحہ موجود ہے، وہ بھی غیر مرتب اور دوسرے کے واسطہ سے ہے! جس مین بڑی حد تک ان کی اصل راے مسخ ہو گئی ہے!

ابن سینا نے ان مختلف چیزون کو اکٹھا کیا، ان کی تہذیب کی، ابواب، فصول اور کتابون کی شکل مین تمام چیزون کو مرتب کیا، قدیم فلاسفہ اسلام ان مباحث کو الگ الگ ابواب و رسائل مین نقل کرتے تھے، مثلاً سماع طبعی کی بحث ایک رسالہ مین! کون و فساد کی بحث دوسرے مین! سماء و عالم کی تیسرے مین، طبائع واحداثیات کی بحث چوتھے مین،! یہان تک کہ وہ منطقی مباحث کو الگ الگ رسائل و ابواب مین لکھتے تھے، مثلاً ایساغوجی، قاطیغوریاس، ریطوریقا، طوبیقا، حکماے سلف اور قدیم مورخین، نیز فہرست ابن ندیم کے مطالعہ سے یہ چیز ظاہر ہوتی ہے،

بو علی سینا کے فضائل مین یہی ہے، کہ اوس نے ان تمام چیزون کو ایک جگہ جمع کر دیا، اور اپنی کتاب شفاء مرتب کی، اسمین وہ ارسطو کے قدم بقدم چلا، اسکی یہ کتاب گویا فلسفہ کی انسائیکلوپیڈیا بن گئی، اس سے قطع نظر کہ اوس نے ارسطو کی جانب بعض وہ چیزین منسوب کین، جو ارسطو نے نہین کہی تھین، اور اس بات کا خیال نہ کیا، کہ ایسی راہ اختیار کرنی چاہئے، جس سے اسکی اور دوسرون کی راے

مین تمیز کیجا سکے، ابن رشد نے اپنی کتابون مین اسکے اس فعل پر بڑی ملامت کی ہی تاکہ سطح ارسطو کو متکلم اسلام امام غزالی کے حملون سے نجات دلائے،

بہرحال یہ پہلی کتاب تھی، جس مین فلسفہ کے تمام اقسام جمع کردیئے گئے تھے، اس کے بعد فلسفہ مین کوئی نیا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ لوگ محض اختصار و تشریح، تاویل و تعدیل مین لگ گئے، گویا یہ ایک غیر منسوخ کتاب تھی،!

اس کے بعد چھٹی صدی کے وسط مین، ابو البرکات ہبۃ اللہ بن ملکا البغدادی جیسے یگانہ روزگار فلسفی کا ظہور ہوا اس نے مشائین کے فلسفہ کی پوری طرح تنقید کی، ارسطو کے مسائل کو جانچا، اسکی کتابون پر استدراک کیا، اور جو کچھ دیکھا اور سمجھا اسکو اپنی کتاب المعتبر مین لکھدیا،

صاحب معتبر کے حالات | ہبۃ اللہ نام، اوحد الزمان لقب، ابو البرکات کنیت، باپ کا نام ملکا ہے، مذہبًا اسرائیلی تھا، ابن ابی اصیبعہ کہتے ہین کہ وہ بلدی ہے، کیونکہ اس کا مولد بلد ہے، پھر بغداد مین قیام کیا، اس نسبت سے بغدادی کہلایا، یاقوت کہتا ہے، کہ بلد چند جگہون کا نام ہے، ان میں سے مشہور ترین وہ پرانا شہر ہے، جو دجلہ پر آباد ہے، اس کے اور موصل کے درمیان سات فرسخ کا فاصلہ ہے، فارسی مین اس کا نام شہر آباد ہے، علما، کی ایک جماعت اس طرف منسوب ہے،! اسی طرح شہر کرج کو بھی بلد کہتے ہین، جسکو ابو دلف نے آباد کیا اور بلد نام رکھا، اس نام کے ساتھ ایک جماعت کا انتساب بھی ہے،

بلد سے مرو کا روذ بھی مراد لیا جاتا ہے،! اس نام کا ساحلِ دجلہ پر بھی ایک چھوٹا شہر ہے، اسکی طرف کسی کی نسبت نہین دیکھی گئی،

سمعانی نے اس کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے، کہ اسکی نسبت دو جگہون کی طرف ہے، ایک تو وہ بلد جو موصل کے قریب ہے، اسکو بلد الحطب بھی کہتے ہین، اور ایک جماعت اس جانب منسوب ہے، دوسرا بلد کرج ہے، جسکو ابو دلف نے بنایا اور بلد اس کا نام رکھا،



گمان غالب یہی ہے کہ ابو البرکات اس بلد مین پیدا ہوا، جو موصل کے قریب ہے، پھر بغداد مین سکونت اختیار کی، اور بغدادی مشہور ہوا،



سال ولادت معلوم نہین،! لیکن امام ظہیر الدین بیہقی جو ابو البرکات کا قریب العہد بلکہ قریب قریب معاصر ہے، وہ تتمہ مین کہتا ہے، کہ ابو البرکات کا انتقال ۵۴۷ھ مین اس دن ہوا، جس دن سلطان مسعود بن محمد بن ملک شاہ کا انتقال ہوا، اور ابو البرکات ۹۰ سال (بحساب شمسی) زندہ رہے، اس حساب سے اگر ان کے سال وفات سے ۹۰ سال گھٹا دیئے جائین، تو ۴۵۷ھ باقی رہتا ہے، پھر شمسی سال کو قمری بنایا جائے، اور اس مین تین سال کا اضافہ کیا جائے، تو ۴۶۰ھ ہوتا ہے،!

لیکن قاضی قفطی کہتے ہین، کہ ابو البرکات اسی سال زندہ رہے،! اگر اس قول پر اعتماد کیا جائے تو سنہ ولادت ۴۶۷ھ ہوتا ہے،! یہ سب اس وقت ہے، جب کہ ہم سلطان مسعود سلجوقی (جن کی وفات کے دن ابو البرکات کا بھی انتقال ہوا ہے) کی تاریخ وفات بیہقی اور دوسرے معتبر مورخین مثلاً ابن اثیر وغیرہ کی روایت کے بموجب ۵۴۷ھ مین تسلیم کرین،

لیکن راوندی نے راحۃ الصدور مین لکھا ہے[1] کہ سلطان کا انتقال ماہ رجب ۵۴۷ھ مین ہوا،

شہرزوری اور ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہین، کہ ابو البرکات نے شیخ ابو الحسن سعید بن ہبۃ اللہ سے تحصیل علم کی، شیخ کا سالِ ولادت ۴۳۶ھ ہے، سالِ وفات ۴۹۵ھ ہے[2] شیخ ابو الحسن علومِ حکمت میں بہت ماہر اور مشہور تھا، مقتدی بامر اللہ عباسی اور اس کے بیٹے مستظہر باللہ کے زمانہ مین طب کی بڑی خدمت کی، اور طب منطق، فلسفہ مین بہت سی کتابین لکھین،!

شہرزوری اور ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے، کہ شیخ ابو الحسن کسی یہودی کو نہین پڑھاتا تھا، جب ابو البرکات نے شیخ کے سامنے اسکی خواہش کی، تو شیخ نے انکار کر دیا، اور کہا کہ مین اپنے حلقہ مین کسی

[1] راحۃ الصدور ص ۲۴۵، [2] طبقات الاطبا جلد ۱ ص ۲۵۳،

یہودی کو پسند نہین کرتا، اس وقت ابوالبرکات نے یہ تدبیر کی کہ شیخ کے دربان سے دوستی پیدا کی، درس کے وقت آتا اور دہلیز کے قریب بیٹھکر بحث سنتا! ایک دن شیخ کے تلامذہ کسی اہم مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے، سب کے سب متحیر تھے، کسی سے جواب نہین بن پڑ رہا تھا، اس وقت ابوالبرکات مجلس مین حاضر ہوا، اور کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہی، شیخ نے اجازت دی، ابوالبرکات نے ایسے عمدہ پیرایہ مین زیر بحث مسئلہ پر تقریر کی کہ شیخ کو بھی پسند آئی، اور انھون نے ابوالبرکات سے اصل معاملہ کا انکشاف چاہا، ابوالبرکات نے اپنی پوری داستان سنادی، اس وقت شیخ نے کہا کہ ایسے شخص کو روکنا درست نہین، چنانچہ اسی وقت سے ابوالبرکات شیخ کے خاص شاگردون مین ہوگیا،

ابن ابی اصیبعہ سعید بن ہبۃ اللہ[1] کے بارہ مین کہتے ہین، کہ وہ ۴۸۹ھ مین موجود تھا، اس لئے کہ مین نے انہی تاریخون کا اس کا ایک خط تخمیس نظامی پر دیکھا ہے، اوس کو ابوالبرکات نے اُن سے پڑھا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ ابوالبرکات نے اپنے شیخ سعید بن ہبۃ اللہ سے ۴۸۹ھ کے قریب پڑھا ہے، اور غالباً اس وقت انکی عمر تیس سال کی رہی ہوگی!

تحصیل علم کے بعد جب ابوالبرکات کی شہرت ہونے لگی، تو خلفاء وسلاطین نے ان کو بلانا شروع کیا، چنانچہ وہ خلیفہ مسترشد باللہ عباسی کے پاس ۵۱۲ھ سے ۵۲۹ھ تک رہا،

۵۲۹ھ مین جب سلطان مسعود اور خلیفہ کے درمیان جنگ ہوئی، تو ابوالبرکات قید کر لیا گیا لیکن پھر چھوڑ دیا گیا، ابن ابی اصیبعہ کہتے ہین، کہ ابوالبرکات مستنجد باللہ کی خدمت مین رہا، مستنجد باللہ ۵۱۰ھ مین پیدا ہوا، ۵۴۲ھ مین ولی عہد مقرر ہوا، اور ۵۵۵ھ مین اوس کے والد کے انتقال کے بعد اس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، اور ابوالبرکات کا انتقال ۵۴۷ھ مین ہوا ہے، اسلئے قرین قیاس یہ ہے کہ ابوالبرکات مستنجد باللہ کی خدمت مین اس وقت تھا، جب وہ خلیفہ نہین ہوا تھا!

[1] طبقات الاطباء جلد ۲ ص ۲۵۵،



اس طرح سلطان محمد بن ملک شاہ ۴۹۸-۵۱۱ھ اور اس کے بیٹے سلطان محمود ۵۱۱ھ اور ۵۲۵ھ اور سلطان مسعود ۵۲۸-۵۴۷ھ کے دربار سے بھی ابوالبرکات وابستہ رہا،

ابوالبرکات کے متعلق بیہقی کے الفاظ یہ ہین:-

”عراقیون کا فلسفی جس کو ارسطو کے ہم پلہ ہونے کا دعوی تھا، ذہین تھا، کتاب المعتبر، اور کتاب النفس والتفسیر وغیرہ بہت سی تصنیفین کین، نوے سال (شمسی) زندہ رہا، جذام کی شکایت ہوگئی تھی، خود اپنے علاج سے شفا ہوئی، آخر عمر مین آنکھون سے معذور ہوگیا تھا، اور ایک مدت اسی معذوری کی حالت مین زندہ رہا، سلطان محمد بن ملک شاہ نے اس پر سوء علاج کا الزام لگایا، اور مدت تک قید رکھا،

۵۴۷ھ مین سلطان مسعود بن محمد بن ملک شاہ کو قولنج کی شکایت ہوئی، جب لوگ بادشاہ کی زندگی سے ناامید ہوگئے، تو ابوالبرکات کو اپنی زندگی کا خطرہ لاحق ہوا، اور وہ دوپہر کے قریب مرگیا، عصر کے بعد سلطان کا انتقال ہوا، ابوالبرکات کا جنازہ حجاج کے ساتھ بغداد کی طرف گیا،“

**ابوالبرکات کا قبول اسلام**

ابوالبرکات کے قبول اسلام کے سلسلہ مین مختلف روایتین ہین:-

(۱) ایک روایت ہے کہ مسترشد باللہ اور سلطان مسعود کی جنگ مین یہ گرفتار ہوا، جب قتل کا وقت قریب ہوا، تو فوراً اسلام قبول کر لیا، اس طرح نجات پائی، اور خلعت شاہانہ سے سرفراز ہوا،

(۲) دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دن وہ خلیفہ کے دربار مین حاضر ہوا، قاضی القضاۃ کے سوا تمام لوگ کھڑے ہوگئے، قاضی القضاۃ نے ابوالبرکات کے ذمی ہونے کی وجہ سے تعظیم کرنا ضروری نہ سمجھا، ابوالبرکات نے کہا کہ اے امیر المومنین اگر قاضی صاحب نے حاضرین محفل کی پیروی محض اس لئے نہین کی، کہ مین دوسرے مذہب پر ہون تو مین اسلام قبول کرتا ہون، مین صرف اس وجہ سے اپنی تنقیص نہ کرنے دونگا، یہ ابن ابی

اصیبعہ کی روایت ہے!

(۳) تیسری روایت قاضی اکرم کی ہے کہ شاہان سلجوقیہ مین کوئی بادشاہ بیمار ہوا، اور اس نے ابو البرکات کی طرف رجوع کیا اور شفا حاصل ہونے پر اس کو انعام واکرام سے بہت زیادہ سرفراز کیا، وہ بڑے تزک و احتشام کیساتھ عراق روانہ ہوا، اسی سلسلہ مین ابو البرکات نے سنا کہ ابن افلح نے اسکی ہجو کی ہے، کہ

"ایک طبیب ہے، جب وہ بات کرتا ہے، تو گفتگو مین اس کی حماقت
ظاہر ہوتی ہے، کتا اس سے بدرجہا بہتر ہے، معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ابھی تک تیہ
کی سرگردانی سے نہیں نکل سکا ہے"

ابو البرکات نے یہ ہجو سنی، تو اسلام قبول کرنے کا عزم کر لیا، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس کے متعدد لڑکیان تھین، جو اسلام نہین قبول کر رہی تھین، اگر وہ تنہا اسلام لاتا ہے، تو اس کے مرنے کے بعد لڑکیان اس کی دولت کی وارث نہ ہوسکین گی؟ ابو البرکات نے خلیفہ کے سامنے درخواست پیش کی، کہ میرے بعد میرا مال لڑکیون کو دیدیا جائے، خواہ وہ اپنے مذہب ہی پر قائم ہون، یہ درخواست قبول ہوئی، اس کے بعد ابو البرکات نے اپنا اسلام ظاہر کیا، اور درس وتدریس اور معالجہ مین مشغول ہو گیا، لوگ اس کی طرف رجوع ہوے، اور اوس نے خوشحال زندگی بسر کی، لوگون نے بھی اس کے علم سے نفع اٹھایا!

(۴) چوتھی روایت قفطی کی ابن الزاغونی کے حوالہ سے ہے، کہ ابو البرکات بلاد جبل مین سلطان محمود کا صاحب تھا، اتفاق سے سلطان کی بیوی خاتون جو اس کے چچا سنجر کی لڑکی تھی، اور سلطان کو بہت محبوب تھی، بیمار ہوئی، ابو البرکات ہی معالج تھا، وہ شفایاب نہ ہوئی، اور وفات پاگئی، اس کی موت سے سلطان بے انتہا غمگین ہوا، اس وقت ابو البرکات کو اپنی جان کا خوف ہوا، اور اوس نے سلطان کے غضب سے بچنے کے لئے اسلام قبول کر لیا،



اگر ابن الزاغونی کی یہ روایت صحیح ہے، تو ابو البرکات کے اسلام کا واقعہ ۵۲۴ھ کا ہے، اسلئے کہ ابن اثیر کی روایت کے مطابق خاتون بنت سلطان سنجر کا اسی سال انتقال ہوا ہے!

ابو البرکات ایک طبیب تھا، بادشاہون کی خدمت اپنے فن سے اور عوام کی خدمت حسن تدبیر سے کرتا تھا، ابن ابی اصیبعہ نے طبقات مین اس کے کافی طبی معجزات کا ذکر کیا ہے، اور ان معاملات کا بھی ذکر کیا ہے، جو اس کے اور اوس کے شاگرد ابن التلمیذ کے درمیان پیش آے، لیکن ان کا ذکر کچھ مفید نہین ہے، اسلئے ہم اس سے قطع نظر کرتے ہین!

ابو البرکات کے حلقۂ درس سے بعض اکابر اہل علم پیدا ہوے، مثلاً شیخ یوسف والد موفق الدین عبد اللطیف البغدادی، جمال الدین بن فضلان، ابن الدہان المنجم، اور مہذب بن نقاش وغیرہ، ابو البرکات بغدادی آخر عمر مین آنکھون کی معذوری کے باعث املا کراتا تھا!

اسکی کتابون مین سب سے بلند پایہ کتاب "کتاب المعتبر" ہے، ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ ابو البرکات کی کتابون مین سے کتاب المعتبر فلسفہ مین سب سے زیادہ جلیل القدر اور مشہور کتاب ہے، ایک مقالہ ستارون کے دن مین چھپنے اور رات مین ظاہر ہونے کے متعلق ہے، جو سلطان غیاث الدین ابی شجاع محمد بن ملک شاہ کے لئے لکھا تھا، اور تشریح کا اختصار ہے، جو جالینوس کے مضامین سے لی گئی، کتاب الاقراباذین تین مقالات پر مشتمل ہے، ایک مقالہ دوا پر ہے، جس کا نام برشعثا ہے، (مین کہتا ہون کہ لوگ کہتے ہین، کہ اس کی اصل برالساعۃ ہے) اس میں اس کے حالات بیان کئے ہین، اور اوس کی دواؤن کی شرح کی ہے، ایک مقالہ دوسرے معجون مین ہے، اس کا نام امین الارواح ہے، ایک رسالہ ماہیۃ عقل مین ہے!

بیہقی ان کی دو کتابون (کتاب المعتبر، کتاب النفس والتفسیر) کا ذکر کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اور بھی تصانیف ہین، مگر ان تصانیف کا نام نہین بتلاتا ہے!

(باقی)

# گنج باد آورد

## رُباعیات سحابی نجفی کا قلمی نسخہ

از نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی

سب سے اول مین نے رباعیاتِ سحابی کا تذکرہ علامہ شبلی مرحوم کی زبانی سنا تھا، اوسی زمانہ مین موصوف نے رباعیات کی نقل حاصل کی تھی، اوس کا کوئی نسخہ اب تک میرے ہاتھ نہیں لگا تھا، حال مین ایک دست فروش جو تنگ دست بھی ہے، اور کم سواد بھی، ایک بستہ کتابون کا لایا، کتابین اگرچہ قلمی تھین، مگر سخت خستہ شکستہ حالت مین تھین، دل دیکھنے سے گھبراتا تھا، تاہم اس خیال سے کہ لانے والا بددل نہ ہوجائے، اون کو دیکھا اور اس ارادہ سے دیکھا، کہ کچھ نہ کچھ بہرحال خریدنا ہے، بڑی کاوش سے ایک معمولی نسخہ کلام ثنائی مشہدی کا نکلا اور دیکھا تو بڑی تقطیع کی جلی قلم کی لکھی ہوئی ایک کتاب ملی طرزِ تحریر سے خیال ہوا کوئی مثنوی ہے غور سے دیکھا تو رباعیات تھیں، اب یہ تلاش ہوئی کس کی ہین، کچھ پتہ نہ لگا، شوق نے کہا شاید سحابی کی ہون، جو رباعیان سحابی کی یاد تھیں، وہ اس مین تلاش کین، ایک بھی نہ ملی، بہرحال کچھ نہ کچھ لینا تھا، یہی دو نسخے لیکر چار روپیہ دست فروش کے ہاتھ پر رکھدیے، اوسکی التجا پر ایک روپیہ اور دیدیا، جیب گنج اگر رباعیون کا نسخہ کھوتا ہون تو اوّل جس رباعی پر نظر پڑتی ہے، وہ سحابی کی معرکۃ الآرا رباعی ہے،

عالم بخروش لا الہ الا ہوست    غافل بگمان کہ دشمن ست او یا دوست

دریا بوجود خویش موجے دارد،    خس پندارد کہ این کشاکش با اوست!



حُسنِ اتفاق۔ یہی رباعی مولانا شبلی نے تذکرۂ رباعیاتِ سحابی کے وقت سنائی تھی جبکہ یاد تھی، تحقیق ہوا کہ رباعیات سحابی ہین، اس وقت کیا مسرت ہوئی، اس کا بیان کیا ہو،

یہ نسخہ لانبی تقطیع پر ہے، اکثر صفحوں پر ۲۴ شعر ہین، یعنی بارہ رباعیان، خوشخط جلی قلم، بہت کچھ صحیح مگر اوّل سے ۳۲ ورق ناقص ہین، ان مین سے پانچ ورق کا بالائی حصہ سالم ہے، جس مین حُسنِ اتفاق سے ۳۰ رباعیان محفوظ ہین، بقیہ اوراق بالکل فنا ہین، یا جزوی باقی ساتھ ہی بیکار کہ ان پر ایک پورا شعر بھی نہین باقی حصہ ورق ۳۳ سے ۲۲۸ ورق تک سب خوب محفوظ ہے، ورق ۲۲۸ اگرچہ سالم ومحفوظ ہے، مگر کاتب نے اوس کے دوسرے صفحہ کا نصف حصہ (یعنے ۱۲ سطرین) لکھکر قلم رکھدیا ہے، کیون؟ یہ کون بتا سکتا ہے، معلوم نہیں منقول عنہ نسخہ اسی قدر تھا، یا آگے مزید نقل کا موقع نہ ملا، اس طرح نام کاتب وسنہ کتابت بھی نہین، کاغذ وانداز تحریر بتاتا ہے، کہ نسخہ گیارہوین صدی کی ابتدا کا لکھا ہوا ہوگا، بہرحال ان اوراق مین کل نو ہزار تین سو ساٹھ اشعار ہین، منجملہ ان کے ۵۱۰۴ رباعیان ہین، اگر ابتدائی اوراق ضائع نہ ہوتے، تو اس نسخہ مین رباعیات کی تعداد کم وبیش ۵۱۵۶ ہوتی،

تین سو اکتالیس شعر مثنویون کے ہین، جو تعداد مین ۲۸ ہین، بڑی سے بڑی مثنوی کے شعر ۹۴ ہین، چھوٹی سے چھوٹی کے دو، غزل یا قطعہ کوئی نہین ہے، مثنویان سب کی سب معرفت مین ہین، قصہ کسی مین نہین، البتہ بعض مین کوئی حکایت درج کر کے نتیجہ نکالا ہے، اکثر ایسی ہین جن مین کوئی حکایت بھی نہین محض بیان معارف ہے، مثنویون کے انداز سے معلوم ہوتا ہے، کہ مثنوی مولانا رومؒ کے مطالعہ سے سحابی نے فیض حاصل کیا تھا، اور وہین سے مضامین معرفت لئے تھے، ایک مثنوی کے آخر مین مولانا کا شعر "بشنو از نے" تضمین کیا ہے چنانچہ لکھا ہے،

غیر ازین معنی نہ دارد گر شوی    واقف مضمون بیت مولوی،

بشنو از نے چون حکایت میکند    وز جدائیہا شکایت می کند

افسوس ہے ان مثنویوں مین وہ شعر نہین ہے، جس کو مولانا شبلی مرحوم نے ہزار مثنویوں سے بہتر لکھا ہے،

عشق حقیقی ست مجازی مگیر　　　این دُم شیر است ببازی مگیر

تذکرہ ریاض الشعراء مین یہ شعر انتخاب کیا ہی،

مولانا شبلی مرحوم نے الندوہ مورخہ ستمبر ۱۹۰۶ء مین ایک مقالہ سحابی پر لکھا تھا، بعنوان "فلسفہ اور فارسی شاعری" اوس مین رباعیاتِ سحابی نجفی سے بحث کی ہے، تعجب ہے کہ اگرچہ شعر العجم کا (جو اس وقت زیر تالیف تھی) اس مضمون کو نمونہ بیان فرمایا ہے، مگر خود شعر العجم مین سحابی کا مستقل ذکر نہیں فرمایا، بہرحال مقالہ مذکور مین لکھا ہے، کہ "مین نے دس ہزار رباعیان سحابی کی دیکھی ہین، ایک مجموعہ کی نسبت (جس مین چھ ہزار سے زیادہ رباعیان تھین) لکھا ہے کہ اسکی نقل میرے کتب خانہ مین ہے" معلوم نہین یہ نقل کیا ہوئی، جو نسخہ مولانا کے کتبخانہ کا ندوۃ العلماء کے کتبخانہ مین دوسری کتابون کے ساتھ آیا، اس مین صرف ۲۲۴۴ رباعیان ہین، علاوہ رباعیون کے کوئی اور صنفِ کلام نہین ہے، مہتمم کتاب خانہ نے اپنے خط مین نسخہ ہذا کی بابت لکھا ہے، کہ "علامہ شبلی نے کسی نادر نسخہ سے نقل کرایا تھا" کتبخانہ کی یہ اطلاع بھی ہے کہ علامہ شبلی مرحوم نے اکثر رباعیات کا مفہوم کہین پنسل سے اور کہین قلم سے مختصر طور پر حاشیہ پر لکھدیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ علامہ کے زیرِ ملاحظہ رہا تھا،

ایک مجموعہ نوسو رباعیون کا انتخاب کرکے مولوی علی اوسط صاحب سابق سشن جج رئیس اعظم گڈہ نے چھپوایا ہے، اوس کے دیباچہ نے مجھکو بتایا کہ علامہ شبلی نے مقالۂ مذکورۂ بالا الندوہ مین شائع کیا تھا، اسی اطلاع پر مین نے اس کو پڑھا،

دوسرے کتبخانون سے بھی مین نے مراسلت کی، کتبخانہ آصفیہ سرکارِ عالی حیدرآباد مین دو قلمی نسخے ہین، دونون نسخون مین دیباچہ ہے، ایک نسخہ مین ابتدائی حصہ رباعیون کا ناقص ہے، اس کا



خط معمولی ہے، رباعیان بو فصل مسلسل لکھی ہین جس سے مثنوی کا دھوکا ہوتا ہے، (اوپر آپ نے پڑھا کہ یہی انداز تحریر میرے نسخہ کا بھی ہے) دوسرا نسخہ نفیس خوشخط مطلا ہے، مکمل ہے، اس مین رباعیان ۲۱۸۴ ہین، ایک مثنوی ہے جس کے خاتمہ پر بعنوان غزلیات چند منفرد اشعار ہین، بالآخر یہ نسخہ ایک پانچ شعر کے قطعہ پر ختم ہوتا ہے جو محکوک کر دیا گیا ہے، دونون نسخون پر کاتب کا نام یا سنہ کتابت نہین

بانکی پور کے کتبخانہ مین دو نسخے ہین، ایک ۱۰۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے، دوسرا ۱۰۸۶ھ کا مزید تفصیل سردست معلوم نہین صرف اس قدر معلوم ہے کہ ایک نسخہ کے آخر مین ایک مختصر سی مثنوی بھی ہی،

**حالاتِ سحابی کا ماخذ** تذکرہ خلاصۃ الاشعار و نتائج الافکار تقی الدین کاشانی، عرفات العاشقین تقی اوحدی، ریاض الشعراء والہ داغستانی، سروِ آزاد، میر غلام علی آزاد بلگرامی، مجمع الغرائب احمد علی سندیلوی، تذکرۂ شعراء ماضی از سہیل، مجمع الفصحا رضا سپہر طہرانی،

**حالاتِ سحابی** سحابی کا نام کمال الدین ہے، مولد و منشاء شوستر ہے، اصل جرجان ہے، اس لئے استرآبادی مشہور ہوئے، معاصر شاہ عباس ماضی تھے، ابتداءً قدم وادی شاعری مین رکھا، علوم متعلقہ حاصل کئے، عرفات العاشقین مین تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے، "فاضل کامل موحد عارف" اس سے ان کے پایۂ علم و معرفت کا پتہ لگتا ہے، تحصیلِ علم کے بعد سیاحت کی، عراق عرب پہونچے، وہان ائمۂ اطہار کی زیارتون سے فارغ ہوکر نجف اشرف مین حاضر ہوئے، وہین سکونت اختیار کی، قیام نجف اشرف بقول بعض چالیس سال رہا، اور بقول بعض تیس سال، اس تمام زمانہ قیام مین کبھی بپاسِ ادب "اندرون حرم و ساحتِ روضہ" داخل نہ ہوئے، صرف آستان بوسی پر قناعت کی،

مؤلف تذکرہ خلاصۃ الاشعار و نتائج الافکار تقی الدین کاشانی نے ۹۹۰ھ مین نجف اشرف مین سحابی سے ملاقات کی، جو بیس سال سے وہان مقیم تھے، بحالتِ درویشی و گوشہ گیری آلایشِ دنیوی سے مبرا و معرا پایا،

تقی اوحدی مؤلف عرفات العاشقین سنہ ۱۰۰۵ھ مین نجف گیا، اوس سے چار سال قبل سحابی کی وفات ہو چکی تھی، اس حساب سے سنہ ۱۰۰۱ھ سنہ وفات سحابی ہوتا ہے، مجمع الفصحا رمین سنہ وفات سنہ ۱۰۲۰ھ لکھا ہے جو لغزشِ قلم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، تقی الدین اوحدی اور تقی کاشانی کے بیان کے ملانے سے سحابی کا قیام نجف مین تیس سال ثابت ہوتا ہے، یہی آزاد نے سرو آزاد میں لکھا ہے، وفات سرو آزاد مین حدود سنہ ۱۰۱۰ھ لکھی ہے، مدفن سحابی نجف مین ہے،

**کلام سحابی** تعداد رباعیات - بقول آزاد ستر ہزار ۷۰۰۰۰ رباعیان تھین، جو دریا میں غرق کی گیئین، بیاضون مین بیس ۲۰۰۰۰ ہزار باقی رہین، یہی تعداد مجمع الفصحا مین ہے، نیز مجمع الغرائب مین، مولانا شبلی نے ایک مجموعہ مین دس ہزار رباعیان دیکھین،

علاوہ رباعیات مثنویاں ہین، غزلیات کا ہونا تذکرہ ریاض الشعراء مجمع الفصحار اور تذکرہ شعرا ماضیہ سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حیدرآباد کے نسخہ مین کچھ اشعار غزل موجود ہین، دیباچہ ہے، ایک قطعہ ہے مگر مشکوک،

**کلام پر رائے** سحابی کے کلام مین وہ مضامین بہت کم ہین، جن سے بالعموم کلام مین گرمیِ ہنگامہ کا سامان ہوتا ہے، یعنی بادہ وساقی یا ناز وکرشمہ، گیسو وعارض، اگر خال خال کہین آ بھی گئے ہیں تو شانِ حقیقت لئے ہوئے، اسی کے ساتھ عامیانہ شوخی ورندی سے بھی کلام بے تعلق ہے، مضامین بلند ہین، معرفت کی قوت کے ساتھ معرفت کے مطالب اس انداز کلام مین بیان کرتا ہی، جو شانِ تصوف کے شایان ہے، باوجود اس قدر احتیاط اور دائرۂ کلام کی تنگی کے قوتِ کمال یہ ہے، کہ کلام صاف، دلنشین، نادر اور اثر مین ڈوبا ہوا ہے کہین اسکی رباعی پایۂ بلند سے گرتی نہیں، عرفات العاشقین مین اسکی طرز کی بابت لکھا ہے، "آب بلاغت وبراعت درجداولِ بیانش روان ونور فصاحت وملاحت از جبہۂ کلامش عیان" اور یہ بالکل بجا ہے،



**خلاصہ** سحابی نے مضامینِ وحدت ومعرفت اوس قوت اور ذوق سے بیان کئے ہین، جو پڑھنے والے کے دل مین شوقِ معرفت پیدا کرتا ہے، اوس کا فلسفہ تخریبی نہین تعمیری ہے، کمال یہ ہے کہ باوجود بلندیِ مطالب ونزاکتِ فکر کلام معمانہیں بنتا ہے، جو محتاجِ شرح ہو، چند رباعیان بطور نمونہ نقل کیجاتی ہین، ملاحظہ ہون :-

توحید:-

عالم بخروشِ لا الہ الا ہوست    غافل بگمان کہ دشمن ست او یا دوست
دریا بوجودِ خویش موجے وارد،    خس پندارد کہ این کشاکش با اوست

نعت:-

اے سرور انبیاء واے تاجِ کرام    اے حامد ومحمود ومحمد از نام
پیغامِ رسل جملہ کیے تا دگرے    کارِ تو بحق رسید وشد کار تمام

خداشناسی:-

در مجلسِ روزگار افسانہ توئی    افسانہ چہ بل نشاء جانانہ توئی
کیفیت او را تو ہم از خویش طلب    ہرچند کہ بادہ اوست پیمانہ توئی

فنا وبقا،

تا جملہ تو نیستی ز جانان دوری    زان رو کہ ندارد او زیک جان دوری
قرآن کل ست ومی نگنجد در جزو    تا کل نشوی ز سرِ قرآن دوری

ایضًا،

از جزو وکل اے کہ در تخیل گردی    بشنو سخنِ کاہل تجمل گردی،
در ہستیِ خویش گر بمانی جزوی    خود را ہمہ جا نظر کنی کل گردی،

مناجات :-

مارا چو ظلومی و جہولی خوانی    خود بردرحیم وراحم ورحمانی،

ماخود کردیم انچہ اہلش بودیم    تونیز بکن ہرانچہ اہلِ آنی،

ترقی مراتب :-

از لافِ وجود نیست غیر ندمے    درعشق کہ ہست غیرآنجا عدمے،

برساحلِ بحرسہل میگیری بحر    ادمی گوید کہ بشیر نہ قدمے،

امر ونہی :-

درہر امرست اشارت ازمحمودے    خلق ماگیر تاشوی موجودے،

درہر نہی کنایہ وہم غیرست    کان محض نمودست ونداردسودے،

حق جوئی :-

دیداز حق جوے کین یقین ست ترا    دیگر ہمہ ظن کفرو دین ست ترا

ہرچیزکہ نشناختۂ آنِ تونیست،    ہرچند جہان زیرنگین ست ترا

فنا وبقا :-

ہرکس گم شد نام ونشانہا اورا    دادند جہان عقل وجانہا اورا

احمد کہ بکنج بندگی ساکن شد    بردند بسیر آسمانہا اورا

منتہاے اختلاف ونزاع :-

خلق اند بہم برسر کبر وکینہا    لافِ دینہا ودعوٰی آئینہا

حق می گوید بگوشِ خالص دینان    مقصد چو منم چہ اختلاف ست اینہا

———— • ————



مناجات :-

ساقی درده شراب جاوید مرا    برسنگ مزن شیشۂ امید مرا

بزداے غبار از دل نورانیِ من    مگذار درین کسوف خورشید مرا

کرتہ نظری مانعِ حصولِ مقصد ہے،

تا دل بسوے خودنگرانست ترا    جانانِ تو از دیدہ نہانست ترا

خواہیش موافقِ مراد خود نیست    چندین شک ویاس تشنۂ زین ست ترا

مناجات :-

جانم بوصال برفروزان یارب    چشمم زجمال بردوزان یارب

پروردۂ تست جملہ پاتا سرِمن    پروردۂ خویش راسوزان یارب

---

# علم الانسان اور اسلامی تعلیمات

## مترجمہ

سید ابو عاصم صاحب دیسنوی

"گذشتہ اکتوبر کے اسلامک کلچر میں مشہور یوروپین مسلمان ڈاکٹر بیرن عمر رولف ایہرن فلس نے جدید علم الانسان کی تحقیقاتون سے اسلامی تعلیمات کی تصدیق و تائید پر ایک فاضلانہ مضمون لکھا ہی، ناظرین معارف کی دلچسپی کے لئے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے"

علم الانسان کی تعریف یہ کیجاتی ہے، "تاریخ کے بغیر انسانون کی تاریخ" اس چیستانی تعریف سے کم سے کم اتنا پتہ چلتا ہے کہ علم الانسان کی تحقیق ایسے انسانون سے متعلق ہے، جن کے ارتقائی مدارج کی تکمیل نہ ہوئی ہو، اور وہ رسم الخط کے استعمال سے ناواقف ہون، جس سے اپنی تاریخ لکھ سکین، صرف سائنس کے اصولون پر ان کی تاریخ کا پتہ چلایا جائے، ان کے خیالی قصون، کہانیون، رسم و رواج، تاریخی اور رزمیہ داستانون ہی مین ان کی روایات کی جھلک مل سکتی ہو، یہ ماہر علم الانسان کا کام ہے کہ وہ ان ہی ذرائع سے قدیم انسانون کی معاشرتی اور تمدنی تاریخ مرتب کرے، اس عنوان کے تحت مین دنیا کی ان اقوام کی قدیم معاشرتی تاریخ بھی آجاتی ہے، جنھون نے بعد مین اپنی تاریخ لکھنی شروع کی، اور اب وہ مستقل تاریخ کی مالک ہین،

جہان تک عربون کا تعلق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم الانسان کی دلچسپی صرف زمانہ جاہلیت سے ہے اور دوسری طرف اسلامی علوم کا تعلق اسلامی عہد سے ہے، یہی حال افریقہ کے حبشی اور وسط ایشیا



کے خانہ بدوش مسلمانون کا ہے، ممکن ہے اس نکتہ سے یہ خیال ہو کہ اسلامی علوم اگر علم الانسان کے مخالف نہین تو موافق بھی نہین ہین، پہلی نظر مین یہ معلوم ہوتا ہے، کہ علم الانسان کو اسلامی علوم سے کوئی علاقہ نہین، قطع نظر اس امر کے کہ اسلامی تمدن و معاشرت پر عہدِ جاہلی کے ناگزیر اثرات کس حد تک پڑے، اس قسم کے اثرات کی اہمیت بہت زیادہ ہے جس کا اندازہ اب تک نہیں لگایا گیا ہے، اسلامی علوم اور علم الانسان کے درمیان رشتہ کی صرف یہی ایک کڑی نہیں ہے،

جدید معاشرتی تاریخی علم الانسان اس معمہ کو حل کرنے مین کوشان ہے، کہ انسانون کا پہلا مذہبی عقیدہ کیا تھا،

ہماری تحقیقات کی دو صورتین ہوسکتی ہین، ایک براہ راست مشاہدہ، دوسری قدیم انسانون کے مذہبی اعتقادات سے نتیجہ کا استنباط،

۱۔ پہلا مذہبی عقیدہ اس کوشش مین اسلام اور قرآن کے طالب علم کو زیادہ دقت نہیں ہوگی، کیونکہ نفس مذہب کی اصل اور اسکی پہلی شکل کے متعلق اسلام کی تعلیمات مین صاف و صریح ارشادات موجود ہین،

۱۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق مذہب کی اصل اور فطری صورت وحدانیت ہے، اور ہر انسان پیدایش کے وقت مسلمان رہتا ہے،

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام خدا کے سچے پیغمبر تھے، جو انسانون کے لئے پہلا پیغام الٰہی لائے،

اسلام کی یہ دو تعلیمات جو مذہب کی بنیاد ہین، تہذیب و تمدن کے نظریہ ارتقار کی ضد ہین، کیونکہ اگر انسانون کا سب سے پہلا مذہب وحدانیت مان لیا جائے (جیسا کہ اسلام کا دعویٰ ہے) تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ قدیم ترین انسان موحد اور ایک بلند روحانی تخیل کا مالک تھا، اور اگر حضرت آدمؑ خدا کے پہلے رسول تھے، تو فطری طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ قدیم ترین انسان جو دنیا کی پرانی تہذیب و

وتمدن کا علمبردار تھا، وہ اخلاق وسیرت کا بھی مکمل نمونہ تھا، لیکن نظریۂ ارتقاء اور اس کے ساتھ ساتھ علم الانسان
کا نظری تاریخی تخیل (جو پچھلی صدی کے آخر مین وجود مین آیا) اسلامی نقطۂ نظر کے بالکل مخالف ہے، اسکے
نزدیک انسانی تہذیب اپنی اصل شکل مین بربریت اور حیوانیت تھی، جس نے آہستہ آہستہ ترقی کر کے موجودہ
اقتصادی، معاشرتی اور مذہبی ادارون کی صورت اختیار کی، اس نظریہ کے مطابق مذہب کی اصل یہ تھی، کہ
انسان خیر و شر کے اعتبار سے مختلف قوتون کی الوہیت پر عقیدہ رکھتا تھا، اور ایک مستقل خوف نے اوس کو
ان قوتون سے مدد مانگنے پر مضطر کر دیا تھا، جو ان کے خیال کے مطابق ہر ذی روح اور غیر ذی روح
کے اندر موجود تھین اس نظریہ کی تمام دلیلین انسانون کے طبیعیاتی اور حیواناتی پہلو سے اخذ کی گئی ہین
اس مین کوئی شک نہین کہ انسانون کا جسم اور اسکی شکل پہلے حیوانون کی طرح رہی ہوگی، اور ہزارون لاکھون
صدیون کے تغیرات کے بعد موجودہ شکل وصورت کو پہونچی، جیسے موجودہ اعلی قسم کے حیوان کسی زمانہ مین موجودہ
ادنی قسم کے جانورون کے ہم شکل تھے، جیسے موجودہ ہتھن دار جانورون کے آباؤ اجداد کبھی سانپ اور
مچھلی کی شکل کے ہون گے، پھر یہ مچھلیان اور سانپ بھی، اس سے بھی ابتدائی درجون مین (سیپ اور گھونگھا)
رہے ہونگے، غالباً اسی ارتقائی تخیل نے علم الانسان اور نظریہ ارتقاء کے علماء کو غلط فہمی مین ڈالدیا ہے
انھون نے خیال کیا کہ جس طرح انسانون کے جسم صدیون ترقی کرتے رہے، اسی طرح ان کی تہذیب اور
تمدن نے بھی حیوانی درجون سے گذر کر موجودہ ترقی یافتہ صورت اختیار کی، یہ نظریہ ارتقائیون کیلئے
تو گمراہ کن تھا ہی، ہیئت دانون کو بھی اوس نے چکر مین ڈال دیا، اور وہ خیال کرنے لگے، کہ ان کی تہذیب
وتمدن قدرت کا نظری "تاج" ہے، اس قسم کے نظریون پر بہت سے ماہرین علم الانسان اور بشریات نے تحقیق
کی ہے جن مین اکثر بڑے دقیقہ رس بھی تھے، امریکی تفتیش رسان مورگن (Morgan) اور
سوئس محقق جے جے، بیکوفن (Backofen) نے بلاشبہ علم الانسان کا معیار بہت بلند
کر دیا ہے، لیکن بعد کی تحقیقات سے ان کا نظریۂ ارتقائے تہذیب بے بنیاد ثابت ہو گیا، برطانوی حکومتون



نے ماہرین علم الانسان کو قدیم انسانون کے مشاہدہ کا موقع دیا، ان کی تحقیقات سے یورپ کے سائنسدانون
پر یہ بات روشن ہو گئی، کہ جنگل کی بسنے والی وحشی اور درندہ قوم قدیم انسانون کی نمایندہ نہین ہے،
ان لوگون سے یہ قیاس کرنا کہ کسی زمانہ مین سارے انسان ایسے ہی تھے، سخت غلطی ہے، کیونکہ انکے
خلاف بہت ہی قدیم جنگلی قومون خصوصاً بونون مین مذہب، اخلاق اور سیرت کا بہت ہی
بلند معیار پایا گیا ہے،

اس سلسلہ مین ایک برطانوی ماہر علم الانسان اینڈریو لینگ (Andrewlang) کے
مشاہدات بہت حیرت انگیز ہین، اس نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ وحدانیت کا غیر مبہم تخیل بہت ہی
مفلوک الحال جنگلی قومون اور خصوصاً بونون مین موجود تھا، یہ لوگ ان غیر آباد اور گمنام جزیرون مین
رہتے ہین، جہان بیرونی تہذیب وتمدن کی پرچھائیان بھی نہین پڑی ہین،

**۲- ازلی وحدانیت** آج کل وسط افریقہ، آبنائے نوآبادی (Strait Settlement)
اور بحر الکاہل کے بونون کے حالات جدید معاشرتی تاریخ کی دلچسپی کے مرکز بنے ہوئے ہین، جس سے بہت
سے پہلوؤن پر روشنی پڑتی ہے، ان بونون اور ان جیسی دوسری اقوام مین وحدانیت کے عقیدہ کے
متعلق اینڈریو لینگ کے بیانات نے علم الانسان اور قدیم تہذیب کی تحقیق کی نئی راہین کھول دی ہین،
وائنا کے ماہر علم الانسان پروفیسر فادر۔ ڈبلو۔ سکیمٹ (FATHER.W.SCHMIDT)
(جو آج کل ویٹیکن کے بشریاتی عجائب خانہ مین کام کر رہے ہین) نے اس موضوع سے متعلق تمام
بیانات اور آثار جمع کئے ہین، ان کی کوششیں اینڈریو لینگ کے خیالات کی پوری تصدیق کرتی
ہین، ان کی تحقیق سے ظاہر ہوا کہ سب سے پہلا مذہبی عقیدہ وحدانیت ہی تھا، اور ان زراعتی اور دیہاتی
قومون مین ادین بنیادی مذہبی تخیل کے زبردست آثار پائے جاتے ہین، گو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ
اس عقیدہ مین برابر انحطاط ہوتا گیا، اور وہ خدا کے ساتھ ساتھ بھوت پریت اور دوسری ارواحون

کو ماننے اور ڈرنے لگے، اور انھین بھی خدا کا درجہ دیدیا، انہی خیالات نے جنگلی قومون کو بھی جو پہلے توحید سے متاثر کیا، وحدانیت کے انحطاط کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ وحدانیت مین یہ تخیل بھی ہے کہ خدائے واحد کا پرتو اور اسکے جلوے مختلف انسانون مین نظر آتے ہین، اس تخیل نے یہان تک ترقی کی، کہ خدا کے علاوہ اوتارون کی بھی پرستش کی جانے لگی، گویا اصل وحدانیت مین غلط تخیل کی آمیزش نے بعد مین بہت سے خدا بنائے، ہندوؤن کی مذہبی تاریخ سے یہ کڑی مل جاتی ہے، کہ کس طرح ایک خدا کے لئے پرتو یا اوتار پیدا ہوگئے، ان تمام امور پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی، کہ مذہب کی اصلی شکل وحدانیت تھی، گویا معاشرتی تاریخی علم الانسان کی تحقیقات نے اسلامی تخیل کی اسی شدت سے تائید کی جس سختی سے نظری تاریخی اور تہذیب و تمدن کے یک طرفہ نظریۂ ارتقاء کو اس سے اختلاف تھا،

**۲- جداول کے افسانے اور حضرت آدم علیہ السلام**

اس تحقیقات کے سلسلہ مین یونون وغیرہ کے اندر ایک ہی مشترک افسانہ کا پتہ چلا، اور وہ جداول کا افسانہ ہے، اس قدیم افسانہ کے مطابق پہلے انسانی ماں باپ خدا کے قریب رہتے تھے اور اس کے گہرے دوست تھے اور یہی بنی نوع انسان کے لئے اخلاقی قوانین لائے گویا اسلامی تخیل کے مطابق خدا کے پہلے پیغمبر آدم تھے، یہ مشترک افسانہ ایک اور بات پر متفق ہے، وہ یہ کہ دنیا مین بیماریان تکلیفین اور موت ناپید تھین لیکن یہ ساری مصیبتین جداول کے احکام کی نافرمانی کے باعث وجود مین آئین، یہ افسانہ اسلامی تخیل سے کتنا مل جاتا ہے، کہ تمام انبیاء اور ان مین آدم بھی خدا کا پیغام لائے،

**۴- پہلی تہذیب کے اخلاقی اصول**

علم الانسان کی اس نئی تحقیق نے بونون یا قدیم تہذیب و تمدن کے اصلی نمایندون کے اخلاقی اصولون، انکی خصوصیات، اور ان کے سماجی تخیلات کی چھان بین کر دی، اس پہلو سے نظر ڈالنے کے بعد یہ بھی پتہ چلا، کہ انصاف و رواداری اور یگانگت ان کی زندگی



کی خصوصیات ہین، وہان حاکم، محکوم، آقا، غلام، مذہبی اور جنگ جو قومون کی تفریق نہین ہے، باپ اور ماں بیٹے اور بیٹیون سے برابر کی محبت اور ان کی یکسان عزت کی جاتی ہے، نہ وہان حکومت پدری (Patriarchal) ہے، جس مین بیوی شوہر کے قبیلہ مین شمار ہونے لگتی ہے، اور نہ حکومت مادری جس مین اوس کے برعکس ہوتا ہے، بلکہ مساوات اور ایک دوسرے کی عزت و تکریم کا بہت ہی بلند معیار ہے، جس مین ہر شخص کے مساوی حقوق ہین، ان مین اخلاق کا معیار اتنا بلند تھا، کہ چوری زنا، قتل، جھوٹ، دغا، فریب کے الفاظ کا بھی پتہ نہین چلتا، ان اصلی اور قدیم انسانون کے متعلق جو اپنے سے زیادہ مہذب لوگوں سے ملوث نہین ہوئے، ماہرین علم الانسان کے متحدہ و متفقہ بیانات ہین، یہ وہ معاشرتی و اخلاقی اصول اور سچے مذہبی احکام ہین، جو اسلام کی تعلیم کے مطابق حضرت آدم سے لیکر آنحضرت صلعم تک تمام پیغمبر اپنے ساتھ لائے، اس باب مین اسلام کو عیسائی تخیل سے اختلاف ہے، عیسائیوں کا عقیدہ ہے، کہ کافر یعنی جو شخص عیسائیت کے دائرہ سے باہر ہے، وہ خدا کے ہدایات سے محروم ہے، اس کے برعکس اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانہ مین خدا کی ہدایات اس کے ہزارون پیغمبرون کے ذریعہ آتی رہین،

اس مسئلہ مین بھی جدید علم الانسان کی تحقیقات نے اسلام کے اس نظریہ کو تسلیم کرلیا ہے کہ مذہب کی اصل کیا تھی، اور اسکی اشاعت کس طرح کی گئی،

**۵- انسانوں کا نسلی اتحاد**

مذہبی اور اخلاقی خیالات کی تاریخ کے متعلق علم الانسان کی تحقیقات نے اسلام کے نظریون کو اس طرح روشن کیا ہے، کہ حیرت ہوتی ہے، اور تنہا یہی نکتہ ہماری دلچسپی کا مرکز نہین ہے، بلکہ اس سلسلہ مین اتحاد کا مسئلہ بھی کافی دلچسپ ہے،

جب یہ بات ثابت ہوگئی، کہ وحدانیت ہی سب سے پہلا مذہبی عقیدہ تھا، تو اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ تمام انسانون کی نسل بھی ایک ہی ہوگی، اس خیال کو حال ہی کی تحقیقات نے اور قوت

پہنچائی، اور قدیم انسانون کے معاشرتی تعلقات کی متعدد پگڈنڈیون نے اس شاہراہ پر پہنچا دیا، ہم دیکھتے ہین
کہ ایک ہی قسم کے افسانے ہر جگہ پائے جاتے ہین، یہ افسانہ اگر ایک طرف دائرہ قطب شمالی کے اسکیمو (شمالی
امریکہ کی ایک قدیم نسل) مین پایا جاتا ہے، تو دوسری طرف ان سے ہزارون کوس دور مرکزی افریقہ اور
ابنائے نوآبادی کے حبشیون، شمالی امریکہ کے ٹیرا، ڈل فیوگو (Tierra-del-Fuego)
قومون اور اسٹریلیا کے کورنی (Kurnai) اور کولن (Kulin) مین بھی موجود
ہے، یہ افسانے رویت باری تعالیٰ کے متعلق ہین، جو سراپا نور ہے، اس کے نظارہ کی تاب کوئی انسان
نہین لاسکتا، ان کہانیون کے مطابق انسانون کا جدّ اول اس کے ساتھ رہتا تھا، لیکن اسکی نافرمانی کی وجہ
سے یہ عزت اس سے چھین لی گئی، بعض دوسرے افسانے دنیا کی تخلیق کے متعلق ہین، اس بارہ مین یہ
عجیب خیال ان قدیم نسلون مین پایا جاتا ہے، کہ خدا کے حکم سے ایک آبی چڑیا زمین کو سمندر مین غوطہ
دینے کے لئے لائی، یہ ناممکن ہے کہ اس قسم کے خیالات دنیا کے مختلف فرقون اور قومون مین خود بخود
اُگیے ہون، سب قومون مین ان کا اشتراک ہمین یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ انسانی خیالات اور تہذیب
کا اتحاد اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان پہلے پہل دنیا کے ایک ہی گوشہ مین وجود مین آیا، پھر بعد مین سارے
کرہ مین پھیل گیا،

اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہین کہ مختلف براعظمون کے قدیم ترین انسانون کی تہذیب مین ایک
ہی معاشرتی اور اقتصادی نظام کام کرتا ہے، یہان تک کہ نظام مادری کے پابند ترقی یافتہ کاشتکارون
اور نظام پدری کے پیرو خانہ بدوش صحرائیون دونون مین قریب قریب ایک ہی معاشرت ہے، ان
مین مختلف تہذیبون کے نمایندے (۱- قدیم ۲- نظام مادری کے زراعتی اور ۳- نظام پدری
کے خانہ بدوش) ایشیا، افریقہ، شمالی اور جنوبی افریقہ اور بحرالکاہل کے جزیرون مین پائے جاتے ہین
ایک ہی قسم کی معاشرت کے پیرو انسانی تمدن کے ابتدائی ہی دور مین ساری دنیا مین تقسیم کردئے



گئے ہون گے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا، جیسا کہ اکثرون کا خیال ہے، تو انسانیت کی اصل ایک نہ ہوتی بلکہ
کرۂ ارض کے ہر حصہ مین اختلاف نسل کے باوجود اس کا ارتقا یکسان ہوتا،

اس ثبوت کے علاوہ طبیعیاتی بشریات کے مشاہدات سے ہماری مزید رہنمائی ہوتی ہے، مختلف
نسل کے لوگ اپنی جزئیات مثلاً رنگ، جلد، بالون کی ساخت، آنکھین، ناک، لب وغیرہ مین مختلف ہین
لیکن جسمانی ساخت ساری دنیا کی قومون کی ایک ہی ہے، نسلون کے جزوی اختلافات باہم شادیون
مین کوئی روک نہین ہین، بلکہ بہت بڑی حد تک کشش کا باعث ہین، مختلف جنس کے جانور جیسے گھوڑے
اور گدھے کی متحدہ اولاد ہوتی ہے، لیکن اس جانور (خچر) مین مزید تولید کی صلاحیت نہین ہوتی،
لیکن اس قسم کی بات انسانون مین نہین ہین، بلکہ اس کے برعکس زیادہ ہوتا ہے یعنی مختلف نسلون کی
آمیزش سے اولاد باپ مان سے زیادہ طاقتور اور ان کے مقابلہ مین دوسری خوبیوں کی مالک ہوتی
ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوگئی، کہ سارے انسان ایک ہی حیوانیاتی جنس سے تعلق رکھتے ہین،
یہ دو بنیادی مشاہدات اسلام کے بنیادی نظریہ کے سائنٹفک ثبوت ہین، اور وہ نظریہ
نسلی اتحاد پر اعتقاد ہے،

**۲- نسبی میل** انسانون کے نسلی اتحاد کی تشریح کے بعد مختلف قومون اور قبیلون کی باہمی شادیون اور
نسبی میل کے مسئلہ پر نظر ڈالئے،

یہ مسئلہ بھی اسلام کے طالب علم کے لئے کافی دلچسپ ہے، کیونکہ قرآن پاک مین مختلف نسبون
مین باہمی شادی بیاہ کے مسئلہ پر صاف و صریح ارشادات موجود ہین، قبل اسلام کے عرب ایک
خود پسند اور جنگ جو امیر طبقہ تھا، جس کے یہان ہندوستان کے چھتریون کی طرح آپس ہی مین شادی
بیاہ ہوتے تھے، اس زمانہ کے عرب اپنی لڑکی کسی ایسے شخص کو نہین دیتے تھے، جس کو وہ اپنے سے
بلند یا اپنے برابر نہ سمجھتے ہون، غیر سامی قومون کے ساتھ شادی کا تو کوئی سوال ہی نہین تھا، لیکن

اسلام نے عرب کے سارے نظام اور نظریون کی کایا پلٹ دی، اب ہر قوم کا آدمی خواہ وہ حبشی ہو یا ایرانی، رومی ہو یا ہندوستانی، یونانی ہو یا چینی، آرمینی ہو یا جاوی، اسلام قبول کرنے کے بعد ایک عرب لڑکی کے لئے مناسب جوڑا ہو سکتا تھا، اسی طریقہ سے مختلف ملکون اور قومون کی لڑکیان عربون کے معزز گھرانون مین بیاہ کر آنے لگین، گو امرا نے اکثر نسبی تعصبات کو برقرار رکھنے کی کوشش کی، اس سلسلہ مین بنی امیہ اور خلفائے عباسیہ[1] کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے، لیکن اس رجحان کی سخت مخالفت کی گئی، کیونکہ یہ اسلامی روح کے منافی تھا، اسی لئے نسبی میل جول امت اسلامی کی سب سے بڑی خصوصیت ہو گئی ہے، اور بلا شبہہ دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان بیشتر اس ملک کے غیر مسلمون کے مقابلہ مین نسبی میل جول کا نتیجہ ہین، جس کی بہت ساری مثالین موجود ہین، مثلاً مصر کے عیسائی قبطی اور مصری مسلمان نسب کے اعتبار سے بھی بہت کچھ ملتے جلتے ہین، اور بڑی حد تک متحدہ نسل کی پیداوار ہین، ان کے اندر اگر قدیم مصریون کی نازک اندامی ہے، تو عربون کی جوانمردی اور سوڈانی حبشیون کی شگفتہ مزاجی، شان اور تناسب اعضا، کی گنگا جمنی بھی ہے، لیکن قبطیون کے مقابلہ مین مسلمانون مین یہ خصوصیت زیادہ نمایان ہے، یہی حال عرب کا ہے، عرب کے مختلف حصون کے یہودی اور عیسائی قریب قریب اسی نسل سے تعلق رکھتے ہین جس سے مسلمان ہین، لیکن سطحی نظر رکھنے والا ایک مسلمان کے مقابلہ مین ان کے زرد رنگ اور نڈھال چہرے سے فرق محسوس کر لے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمان عربون کے اندر افریقائی عنصر بہت زیادہ ہے، اور ان کے یہودی اور عیسائی ہم وطنون کے اندر اس کی بڑی کمی ہے، ہندوستان ہی کو لیجئے، یہان کے مسلمان ہندوؤن، عیسائیون اور پارسیون کے مقابلہ مین بہت زیادہ مخلوط ہین، گویا جہان کہین اسلامی تہذیب کا اثر پہنچا وہان نسبی اور نسلی میل جول کا عام رواج ہو گیا، اب

---

[1] معارف:۔ بنی امیہ نے بیشک عربی خون کو خالص رکھنے کی کوششیں کین، لیکن عباسی تو بالکل عجمی رنگ مین رنگ گئے تھے، ان مین شاید ہی ایک دو خلیفہ عربی مان سے ہون،



دیکھنا یہ ہے، کہ اس مسئلہ مین علم الانسان اور علم آثار قدیمہ کی تحقیقات کیا ہین،

**۷۔ نسبی میل جول اور قدیم تہذیب کی پیدایش**

وائنا اسکول کے معاشرتی تاریخی علم الانسان نے ثابت کیا ہے کہ تمام تاریخی شہرون کی تہذیبین اسی نسبی میل جول کا نتیجہ تھین، جو مسلسل کسی غیر اختیاری عمل کے تحت مین بن رہی تھیں، "مادری کاشتکارون" شہری پدری خانہ بدوشون اور وسط ایشیا کے جنگجو خانہ بدوشون مین نسلی امتزاج ہو گیا تھا، شروع شروع ان کے اختلاط کی وجہ ان کا باہمی بغض و عناد تھا، یہ وحشی اقوام دیسی مادری اشخاص کے ترقی یافتہ شہرون انکے ہرے بھرے کھیتون اور کھلیانون کو لوٹا کرتی تھین لیکن پھر کچھ دنون کے بعد یہ خود بھی وہین بس گئین اور دیسی تہذیب کی بہت سی خوبیان قبول کر لین، اور اس مین کچھ اپنی خصوصیات ملا کر ایک ملی جلی تہذیب کی بنیاد ڈالی، وسط ایشیا کے چارون طرف ندیون کی وادیون مین قبل تاریخ کا یہ مخصوص عمل مسلسل اور پیہم جاری رہا، جیسے جیسے ندیان صحرائی ڈھلوانون سے زرخیز میدانون مین اترتی گئین، یہ خانہ بدوش بھی وہان سے نکل کر ہوانگ ہو (Hoang Ho)، اور چین مین ینگ ٹسی کیانگ (Yang-Tse-Kiang) اور ہندوستان کے دریائے گنگا اندس، ایران کے ٹگرس و فرات، مصر کے نیل کی وادیون اور ایشیائے کوچک اور مینوئن کریٹ کے اس عہد کے زرخیز میدانون مین پہنچ گئے، یہ خطہ مادری کاشتکارون اور شہریون کی جماعت اور نظام پدری کے پیرو وحشی خانہ بدوشون کے درمیان مدتون جنگ کا میدان بنا رہا، ان ہی واقعات کی وجہ سے دو مختلف تہذیبون نے مل کر ایک ترقی یافتہ تہذیب کی بنیاد ڈال دی، جو بعد مین قدیم چینی ہندوستانی میسوپٹیمین (عراق) مصری اور یونانی رومن تمدن کے مرکزون کی شکل مین ظاہر ہوئے،

یہ ضروری نہین ہے کہ تہذیبون کی آمیزش سے نسلون کے امتزاج کا مفہوم لیا جائے، لیکن گذشتہ مثال اور علم آثار قدیمہ اور علم انسان کی تحقیقات سے مختلف نسلون کے بنیادی امتیازات کے فرق کا پتہ چلایا جا سکتا ہے، اس سلسلہ مین دوسرے ذرائع بھی معاون ہو سکتے ہین، مختلف قومون

کی مصوری اور سنگ تراشی کی یادگارون سے ان کے باہمی اختلاط کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، گویا تہذیبون کی آمیزش کے ساتھ نسلون کے امتزاج کا بھی سراغ ملتا ہی،

آج بھی جب کہ مختلف تہذیبین ملکر شیر و شکر ہوگئی ہین، نسلون کے عنصر کا فرق آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے، ہندستان ہی کی مثال لیجئے، یہان کے پنجابی کاشتکارون کے اندر ایشیائی عنصر (جو شرقی بحیرۂ روم اور آرمینی خط کے لوگون سے بہت ملتا جلتا ہے) اور کشمیری برہمنون کے اندر اصلی نارڈک[1] اور مدراسیون کے اندر میلانیڈ عنصر موجود ہے، جنوبی ہندوستان اور اس کے باہر بھی ایسے اثرات پھیلے ہوئے ہین، انتہائی جنوبی مغربی مالابار مین وادی گنگا اور دوسرے بالائی ہندوستان کے گریزائل اینڈ کی قسم کے لوگ موجود ہین، یہ سب مختلف نسبون کے باہم امتزاج کی مثالین ہین،

چین سے لیکر ہندوستان تک کا سارا خط اور پھر وسط اور مشرق قریب سے لیکر مغربی بحیرہ روم کے کنارے تک تہذیب و تمدن نے جو ترقیان کی ہین، وہ نسبی میل جول کا شاندار کارنامہ ہے، اگر نسبی میل جول کا نتیجہ انحطاط ہی ہوتا، جیسا کہ بعضون کا خیال ہے تو ایسی پائدار اور بلند تہذیب کبھی پروان نہ چڑھتی،

**نفسیاتی اثرات اور جدید نسبی مسائل**

ان تمام مشاہدات کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کہ ایسے میل جول کی شادیون سے جو اولادین ہوتی ہین، انھین بہت سے پیچیدہ مسائل اور دشواریون کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہی کہا جاتا ہے، کہ ان تمام مصیبتون کی جڑ نسبی میل جول کی شادی ہے لیکن ان معاملات پر اگر گہری نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا کہ علم الانسان کی جدید تحقیقات اسلامی نظریہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو رہی ہے، اسلام نے نسبی میل جول کی شادی کی تلقین کی ہے اور رواداری کا حکم دیا ہے، آب

[1] نارڈک - فرنگیون کی ایک نسل ہے، جس کے افراد کا قد لانبا اور رنگ گورا ہوتا ہے، یہ اسکینڈے نیویا اور شمالی برطانیہ مین آباد ہے،



دیکھئے کہ اس نکتہ مین کتنا بڑا راز مضمر ہے، مشاہدات و تجربات نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے، کہ ایسی شادیون کی اولادین جسمانی اور دماغی اعتبار سے اوسطاً استعداد کے والدین سے کسی حیثیت مین کم نہین ہوتین، ممکن ہے کہ ان مین کچھ ناپسندیدہ نفسیاتی خصوصیات بھی پیدا ہو جاتی ہون، جو غالباً تعصب اور غیر متوازن معاشرتی نظام کا نتیجہ ہین، جس سے ایک قسم کا خبط کتری پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اس کو نسبی میل جول کی شادی کا لازمی نتیجہ کہنا یقیناً زیادتی ہے،

مختلف نسلون کے میل جول کے اس نتیجہ کا جب اسی طرح کی دوسری شادیون سے جو مختلف نفسیاتی اور معاشرتی ماحول سے گھری ہوئی ہون، موازنہ کیجئے، اس وقت اس تخیل کی صحت کا یقین ہوجائیگا اور معلوم ہوگا، کہ علم الانسان کے مسائل کی غیر متعصبانہ اور سائنٹفک تشریح نے بھی اسلام کی چوکھٹ پر اپنا سر رکھدیا ہے،

**۹- ہندوستان کی مثال**

دور کیون جایئے زمانہ قریب کی تین جدید مثالون پر غور کیجئے، جو اس سلسلہ مین بہت اہم ہین، حیواناتی نقطۂ نظر سے ان مثالون مین سرمو فرق نہین ہے، لیکن نفسیاتی اور معاشرتی ماحول ہر ایک کا مختلف ہے، اور ان سب کے نتائج مختلف ظاہر ہوئے، درانحالیکہ جسمانی حیثیت سے ان مین کوئی فرق نہین ہوا، اس سے یہ بات روشن ہوگئی، کہ ایسی شادیون مین نفسیاتی عنصر کو غیر معمولی اہمیت ہے،

(۱) اینگلو انڈین - نظام پدری کے ماتحت اگر باپ انگریز اور مان ہندوستانی ہو، تو ان کی اولاد نے نام، مذہب، زبان اور قومیت باپ کی اختیار کر لی ہے، اور مان کا کوئی اثر نہین لیا، اس مین کوئی شک نہین، کہ جسمانی اور دماغی اعتبار سے یہ طبقہ بہت بلند ہے، لیکن اُسے معاشرہ مین کوئی مناسب جگہ نہیں ملتی ہے، اس لئے اسکو ذہنی خلجان سے دوچار ہونا پڑتا ہے،

(۲) نظام پدری کے ماتحت ہندوستانی باپ اور یوروپین مان کی اولاد ہندوستانی باپ کے نام، مذہب، زبان، اور قومیت کے سانچے مین ڈھل جاتی ہے، نسب کے اعتبار سے تو یہ آخر الذکر

بھی اینگلو انڈین ہی ہیں لیکن نفسیاتی اور معاشرتی مصیبتوں سے انھیں دوچار ہونا نہیں پڑتا ہے، اور انھیں اپنے باپ کے خاندان میں مناسب جگہ مل جاتی ہے، اس مثال سے گذشتہ دشواریاں بے بنیاد ثابت ہوئیں اور یہ معلوم ہو گیا کہ یہ مصیبتیں فطری اور نسبی میل جول کا نتیجہ نہیں ہیں، اس کے خلاف یہ دلیل پیش کیجا سکتی ہے کہ ماں کی بہ نسبت باپ کے نسب کا اثر زیادہ ہوتا ہے، لیکن اس خیال کی کمزوری کے ثبوت میں دوسرے بہت سے تجربوں کے علاوہ غیر ہندوستانی مسلمان باپ اور ہندوستانی مسلمان ماں کی شادیاں پیش کیجا سکتی ہیں، جن کی اولادوں کو ان مصیبتوں کا کہیں سامنا نہیں ہوتا، اس سے زیادہ اور واضح ایک اور مثال لیجئے،

(۴) نظام مادری کے تحت میں یوروپین باپ اور ہندوستانی ماں کی اولادیں فطری طور پر ماں کے خاندانی اصولوں پر پروان چڑھتی ہیں، ان کا نام، مذہب، زبان اور قومیت بھی ویسی ہی ہوتی ہے، قدیم اور مقدس نظام مادری جو ایک زمانہ تک کامیابی سے چلتا رہا، اور اب آخری سانسیں لے رہا ہے، ایک زمانہ میں بہت رائج تھا، خصوصاً مالابار کے علاقوں میں اس کو بہت فروغ رہا، تیا یا ازہوا (Tiya, or Izhava) فرقے اس سلسلہ میں زیادہ نمایاں تھے، ایک زمانہ میں اس فرقہ کی عورتوں نے یوروپین مردوں سے بکثرت شادیاں کیں، اور اس کا اتنا رواج ہو گیا تھا، کہ ایڈگر تھرسٹن (Edgar Thurston) نے اپنی کتاب "جنوبی ہندوستان کے فرقے اور قبیلے" (مدراس ۱۹۰۹ باب تیا) میں لکھا ہے، کہ "اس اختلاط سے پہلے اور موجودہ کے مالابار میں اس طبقہ کی جسمانی شکل میں نمایاں فرق ہے، اور یہ ہندوستانی ماں اور یوروپین باپ کے گہرے نسبی امتزاج کی کھلی ہوئی مثال ہے" لیکن انھیں نہ کوئی دشواری پیش آئی، اور نہ ان کی سوشل عزت میں کوئی فرق آیا، اور نہ کوئی ناخوشگوار اثرات پیدا ہوئے، جو ممکن ہے کسی خاص سبب کی بنا پر پیدا ہو گئے ہوں، بلکہ اس طبقہ نے اس میل جول کی وجہ سے اپنی تعلیمی، معاشی، اور معاشرتی حیثیت بہت



بلند کر لی ہے، اس سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ نسبی میل جول بذات خود بہت اچھی چیز ہے، ناخوشگوار اثرات کی وجہ خالص نفسیاتی ہے، جو غیر متوازن جذبۂ کمتری اور دماغی پریشانیوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں، ورنہ تیا ماں اور یوروپین باپ کی اولادیں بھی اس طرح خوش و خرم نہ رہتیں، جس طرح ہندوستانی مسلمان ماں اور غیر ہندوستانی مسلمان باپ، یا ہندوستانی ہندو، مسلمان پارسی باپ اور غیر ہندوستانی ماں کی اولادیں رہتی ہیں،

یہ تمام تجربات ہمارے اس دعویٰ کی دلیل ہیں کہ نسبی میل جول سے جو ناخوشگوار نتائج پیدا ہوتے ہیں، ان کی وجہ خالص نفسیاتی ہے، جو خاندان کے مصنوعی تعصبات کا نتیجہ ہیں،

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کیا دماغی اثر اتنا زبردست ہو سکتا ہے؟ تحلیل نفسی کی تحقیقات نے ہمارے لئے اس کا بہت ہی تشفی بخش جواب فراہم کر دیا ہے، اس سلسلہ میں ایک دلچسپ مثال پیش کیجاتی ہے، جو موجودہ ہندوستان کے معاشرتی تاریخی نظریہ پر مبنی ہے، ہندوستانی مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد خالص ہندوستانی نسل سے ہے، اس کے باوجود ہم ان کے ہندو رشتہ داروں کے مقابلہ میں بیشتر ان کی جسمانی ساخت اور شکل و صورت میں ایک خاص امتیاز پاتے ہیں اسکی دوسری مثال کہ ایک فرقہ کی نسبی خصوصیات کس طرح دوسرے فرقہ میں آجاتی ہیں، ہندوؤں کے مختلف فرقے ہیں، چنانچہ جب ایک فرقہ کا کوئی شخص دوسرے فرقہ میں داخل ہو جاتا ہے، خواہ وہ تبدیلی معاشرتی، معاشی یا مذہبی کیوں نہ ہو تو اسی فرقہ کی خصوصیات اس میں پیدا ہو جاتی ہیں، بہت سے غیر برہمن جو ایک مدت کے بعد برہمن تسلیم کر لئے گئے، یا وہ غیر ہندو خاندان جو راجپوت ذات میں داخل ہو گئے چند ہی پشتوں کے بعد انھوں نے اپنی ظاہری صورت بھی بدل لی، قریب قریب ساری دنیا میں حرفتی، معاشی یا کاروباری ذاتیں بھی قائم ہو جاتی ہیں، مثلاً کسان، ماہی گیر، چرواہے، سپاہی، صاحب دماغ، رومن کیتھولک یا پروٹسٹنٹ پادری وغیرہ لیکن سب الگ ہوتے ہوئے بھی ایک ہی قومیت کے دھاگے

ین بند سے ہوتے ہین،

**۱۰- امریکن حبشی کی مثال** ابھی تک امریکہ کے حبشیون کی معاشرتی ترقی کی اہمیت کا اندازہ نہین لگایا گیا ہے غور کیجئے کہ ایک مٹھی بھر منتشر غلام جن پر سرمایہ اور زمین وغیرہ کے ذرائع آمدنی بند کر دئے گئے ہون اور جو ایک ایسے ملک مین زبردستی بسائے گئے ہون، جہان ان کا مذہب عیسائی ماحول سے گھرا ہوا ہو جہان وہ آپس میں بھی اپنی زبان نہین بول سکتے ہون مختلف افراد اپنی جماعت بندی بھی نہین کر سکتے جہان ایک زمانہ تک تعلیم کے دروازے ان پر بند رہے ہون ان تمام موانع اور مشکلات کے باوجود انھون نے اپنا معیار بہت بلند کر لیا ہے، جو یقینی حیرت انگیز ہے، ان کے اپنے کنڈر گارٹن، ابتدائی اور ثانوی اسکول قائم ہین، بہت سی بلند پایہ اکیڈمیان اور یونیورسٹیان چل رہی ہین، فنون لطیفہ موسیقی وغیرہ کے ادارے، اسپتال، صحت گھر (سینٹوریم) بینک، تجارتی انجمنین قائم ہین، یہ تمام ادارے ان کے اپنے سرمایہ سے بنے ہین، اور ان کی باگ ڈور، ان ہی کے تعلیم یافتہ ماہرین فن کے ہاتھون مین ہے، دنیا کی تہذیب و تمدن کی تعمیر مین ان کے بعض افراد کا بھی حصہ ہے امریکی حبشی اپنے افریقی بھائیون سے کہین آگے بڑھے ہوئے ہین، بلکہ اپنے سفید فام امریکی ہم وطنون کو کو بھی مقابلہ کے میدانون مین اکثر پیچھے چھوڑ دیا ہے، درآن حالیکہ امریکیون پر حبشیوں کی جیسی پابندیان نہین تھین، انھین تو سرمایہ اور قوانین کی تمام سہولتیں بھی حاصل تھین،

ان تمام کارنامون کا سبب مختلف حبشی نسلون اور حبشی و امریکیوں کے باہمی میل کا نتیجہ بتایا جاتا ہے، اس لئے یہ واقعہ مختلف نسلون مین باہمی شادیون کے فوائد کا علمی ثبوت ہے، جس کی اسلام نے تلقین کی ہے، اور صرف مذہبی اعتقادات مین یکسانیت کی شرط رکھی ہے، اسی کو علم الانسان کے غیر متعصبانہ تحقیقات نے بھی ثابت کر دیا ہے،

ممکن ہے بعض ان حبشیون اور سفید فام امریکیون کی مشترکہ اولادون کو ہمارے دعوی کی تردید مین بھی پیش کیا جائے، جن کے اندر خبط کمتری اور بعض دوسرے نقائص نمایان طور پر موجود ہین،



لیکن اگر ان مثالون کا برازیل (BRAZIL) اور جنوبی امریکہ کے دوسرے حبشیوں خصوصاً ہیٹی (HAITI) کی حبشی جمہوریت کی آبادی سے موازنہ کیجئے، تو ہمارے دعوی کی صحت مین کوئی شک و شبہہ نہ رہ جائے گا، ہیٹی نہایت کامیاب اور ترقی پسند ملک ہے، یہان معاشرت اور شہری تمدن مل جل کر ایک گنگا جمنی تہذیب پرورش پا رہی ہے، اور کسانون کی آبادی بھی ہمت افزا ہے، کاشتکار اور زمیندار دونون ایک ہی حبشی غلام کی اولاد ہین انھون نے جنگ نپولین کے زمانہ مین آزادی حاصل کی تھی، ان کے اور سفید فام امریکیون کے بال بچے ایک ہیٹی کی حیثیت سے پرورش پاتے ہین، اور انھین اس قسم کی کوئی دشواری نہین پیش آتی، جو شمالی امریکہ مین "مسئلہ حبشی" کے نام سے مشہور ہے،

ایسی اور بہت سی مثالیں دوسرے ملکون سے جمع کی جا سکتی ہین، لیکن ہماری تنگ دامانی اسکی اجازت نہین دیتی، ان مشاہدات سے یہ پتہ چلا کہ ایسی شادیون کے برے نتائج کی وجہ خالص نفسیاتی ہے، کوئی ناگزیر نسلی عنصر نہین،

ان تمام مشاہدات اور دلائل سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہین، کہ علم الانسان اور اسلامی تعلیمات ایک دوسرے سے قریب ہوتے جاتے ہین، یا یوں کہئے، اس کی ہوش کی آنکھین اسلام کی حقیقت کو دیکھنے لگی ہین،

---

# لذّت

## مسلمان فلاسفہ کی نگاہ مین

از

جناب صدر الدین الحسنی لکھنؤ

لذت کا موضوع بہت قدیم ہے، اس پر اخلاقی پہلو سے غور و فکر کا سلسلہ اس وقت سے قائم ہی، جب سے انسان نے زندگی کی راہون اور منکر و معروف پر فکر کی نگاہین ڈالنی شروع کی ہین، اس لئے کہ لذت کو خیر و شر مین بہت کچھ دخل ہے، اور یہی شرور و خیرات اخلاق کی بنیاد ہین، پرانے نظریات جو فلاسفہ کی ایک طویل کاوشِ فکر کا نتیجہ ہین، اور جو آج بھی موضوعِ فکر ہیں، اور تا ابد رہین گے، ان مین دو نظریے اساسی حیثیت رکھتے ہین، جو اپنے بانیون اور متبعین کے نامون سے موسوم ہین، پہلا فلسفہ رواقی[1] (Stoic) اور دوسرا ابیقوری (Epicurean) ہے، رواقیون کا مسلک تصوف اور زہد و تقشف ہے، وہ دنیا کی ہر لذت سے بُعد اور دنیا کی تمام خواہشات اور دلفریبیون سے کنارہ کشی کی دعوت دیتے ہین، لیکن ابیقوری اس کے بالکل خلاف ہین، ان کا مسلک یہ ہے، کہ انسان آخر کس لئے پیدا ہوا ہے،؟ اسے چاہئے کہ اس دو روزہ زندگی مین لذت کو ہر ممکن طریقہ سے حاصل کرے، اور الم سے جہان تک ہو سکے اجتناب برتے، پھر نفس لذت کو مختلف اقسام مین تقسیم کرتے ہین، لذتِ جسمانی

[1] رواقی اور ابیقوری کی وجہ تسمیہ یہ بتلائی جاتی ہے، کہ رواقیت کا بانی یونانی فلسفی زینو (Zeno) جس کا



اور لذتِ عقلی، پائدار اور ناپائدار،

پائدار لذت وہ ہے، جو کچھ مشقت کے بعد ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائے، اور ناپائدار وہ ہے جس سے ہم چند روز محظوظ ہو سکین، اور اس کا انجام الم ہے، ظاہر ہے کہ عقلی لذت جسمانی لذت سے بہتر ہے، اور پائدار اور ابدی لذت چند روزہ عیش سے کہین افضل ہے، ہمین اس وقت ان نظریات پر کوئی طویل بحث نہین کرنی ہے، بلکہ محض فلاسفہ کا ایک اصولی اختلاف بتانا مقصود ہے، جس کا یہ عالم ہے، کہ لفظ "رواقی" اصطلاح و لغت مین محض زاہد و ناسک کیلئے استعمال ہوتا ہے، اور ابیقوری سے مراد ہمیشہ اس کا ضد ہوتا ہے،

مسلمان فلاسفہ نے لذت کے بارے مین مختلف راہین اختیار کی ہین جنھین ہم تین نظریات مین تقسیم کر سکتے ہین، پہلا یہ کہ حقیقی لذت آخرت کی سعادت و طاعتِ خداوندی اور اوامر الٰہیہ کی بجا آوری ہے، دوسرا یہ کہ اصل لذت تحصیلِ علم اور استحکامِ عقل ہی، تیسرا یہ کہ لذت کا اصل راز اعتدال مین مضمر ہے، پہلے مذہب کے موید اصحابِ تصوف ہین، اور اسلام مین انہی کی رائے غالب ہے، اس مذہب کی تائید قرآن کی منصوصہ آیتون سے بھی ہوتی ہے، قرآن کریم مین ہے،

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ — اور بیشک آخرت تیرے لئے آغاز سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰) مسلک تصوف اور لذت و دنیا سے بُعد و استنکراہ تھا، وہ اپنے فلسفہ کے درس و تدریس اور طالب علمون کے سامنے تقاریر و خطبے برساتی (Portico) مین دیا کرتا تھا، جسے یونانی زبان مین (Stoa) کہتے ہین، اسی لئے اسکے طالب علمون اور پھر معتقدون اور ہمخیالون کو (Stoics) کہنے لگے جسکو اردو مین "برساتی والے" کہا جا سکتا ہی، عربی مین لفظ رواقین یونانی لفظ (Stoics) کا لفظی ترجمہ ہی، رواق کے معنی عربی مین برساتی (Stoa) کے آتے ہین، اسی سے رواقی وغیرہ سب ماخوذ ہی، اور ابیقوری مین اپنے مفکر ابیقور (Epicurus) کے نام سے موسوم ہین، ابیقور کا مسلک تلذذ تھا، اس سے آج بڑھکر ہر متلذذ کو ابیقوری کہنے لگے ہین،

| | |
|---|---|
| الاُولیٰ" (۴- سورۃ الضحیٰ) | بہتر ہے، |

دوسری جگہ ہے:-

| | |
|---|---|
| انظر کیف فضلنا بعضھم علی بعض | دیکھو ہم نے انکو ایک دوسرے پر کس طرح |
| وللاٰخرۃ اکبر درجات و اکبر تفضیلا | فضیلت دی ہے، اور یقین مانو کہ آخرت |
| (۲۱- سورۃ الاسراء) | بہت بڑا درجہ اور اہم ترین فضیلت ہے، |

اسی طرح کی قرآن میں بے شمار آیتیں ہیں، لیکن وہ آیت جسے متصوفین ترک لذت کے استدلال میں پیش کرتے، اور جس کی بنیاد پر طالبین لذت کی عاقبت الم ابدی بتلاتے ہیں، وہ یہ ہے،

| | |
|---|---|
| فاما من طغیٰ و آثر الحیاۃ الدنیا | لیکن جس نے کہ سرکشی کی، اور دنیاوی زندگی |
| فان الجحیم ھی الماویٰ، | کو ترجیح دی، تو یقین مانو کہ اس کا ٹھکانا |
| (۳۷، ۳۸، ۳۹- سورۃ النازعات) | جہنم ہے، |

اور شاید اس کا سب سے بڑا محرک جس نے اس جماعت کو زہد عن الدنیا اور لذت سے اجتناب پر آمادہ کیا یہ تھا، انھوں نے دیکھا کہ ورع و تقویٰ مٹ چکا ہے، طبیعتوں میں طمع و خواہش نفسانی نے گھر کرلیا ہے، دلوں سے شریعت کی حرمت زائل ہو چکی ہے، صوم و صلوٰۃ لائق استہزاء، اور مسلمان ہر طرح کی غفلت میں سرگرم اور خواہشات کی دنیا پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں[1]، اس مرض کا سب سے بہتر علاج ان کو زہد و تقشف نظر آیا، یعنی دل کو دولت و طمع سے بالکل موڑ لیا جائے، اور دنیا کو ٹھکرا کر اسکی ہر لذت و تمنا اور خواہش دل سے دھو ڈالی جائے، اور صرف ایک خدائے واحد پر بھروسہ ہو جائے، چنانچہ حضرت حسن بصری زہد کی تعریف کرتے ہیں، "زہد دنیا اور اسکی ہر شے سے بغض و منافرت کا نام ہے"

اس کے علاوہ فلاسفہ کی ایک دوسری جماعت ہے، جو متصوفین اور تارکین دنیا کے غلو کی

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۲ و ۳،



قائل نہیں، یہ حرام و حلال میں تفریق کرتی ہے، اور لوگوں کو جائز لذت سے متمتع ہونے کا حق بخشتی ہے، لیکن بعض وقت تطہیر نفس کی غرض سے ایک خاص مدت تک کے لئے دنیاوی لذائذ سے الگ رہنے کو مستحسن سمجھتی ہے، اس موقت زہد و کنارہ کشی کو اعتکاف کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اعتکاف کی تعریف ابن قیم جوزی یہ کرتے ہیں،

| | |
|---|---|
| (ھو) عکوف القلب علی اللہ | اعتکاف کے معنی یہ ہیں، کہ دل کو یکسوئی |
| تعالیٰ و جمعیتہ علیہ والخلوۃ | اور دنیا و خلق کے تمام کاموں سے الگ |
| بہ والانقطاع عن الشغل بالخلق | کرکے خدا کے ساتھ لگا دیا جائے یہاں تک |
| والاشتغال بہ وحدہ سبحانہ | کہ دل میں بجائے خیالات اور وسوسوں |
| بحیث یصیر ذکرہ وحبہ و | کے محض خدا کی یاد اور اس کی محبت |
| والاقبال علیہ فی محل ھموم | ہو،.......... |
| القلب وخطراتہ...... ویصیر | ..............اور معتکف |
| انسہ باللہ بدلا عن انسہ | کا انس و محبت بجائے انسانوں کے خدا |
| بالخلق......[1]" | سے ہو جائے، |

لذت کے بارے میں ابن سینا کا خیال ہے کہ عقلی لذت محسوسات کی لذت سے افضل ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں،

| | |
|---|---|
| اللذۃ ادراک لما ھو خیر عند | اس چیز کے حصول کا نام جو طالب کے نزدیک |
| المدرک والالم ادراک لما | بہتر ہو لذت ہے، اور اس کے برخلاف |
| ھو شر عند المدرک وقد | بری چیز کے حصول کا نام الم ہے، لیکن ایسا بھی |

[1] زاد المعاد جز ۱ ص ۲۴۰ و ۲۴۱،

| | |
|---|---|
| یختلف الخیر والشر بحسب القیاس[1] | ور ائی حب رغبت و قیاس مختلف ہوتی ہے؛ |

ابن سینا کی یہ تعریف بالکل مجمل ہے، اور یہ سوال باقی رہتا ہے، کہ یہ لذت کس طرح کی ہوگی؛ اس کی تشریح کے لئے آگے چل کر بتلاتے ہین، کہ عقلی لذت جسمانی لذّت سے بہتر ہے،

| | |
|---|---|
| لما ثبت ان اللذۃ عبارۃ عن | جب یہ ثابت ہوگیا کہ مناسب چیز کے |
| ادراک الملائم وثبت ان الملائم | حصول کا نام لذّت ہے، اور یہ بھی |
| للجوہر العاقل ان یتمثل فیہ | ثابت ہوگیا، کہ ایک عاقل کے لئے |
| جلیۃ الحق قدر ما یمکنہ ان | مناسب وہ شے ہے، جس میں اس کو |
| ینال منہ بنھایۃ اللذی یخصہ | مخصوص غایت کے لحاظ سے ممکن الحصول |
| وثبت ان الادراک العقلی اشرف | حد تک کا عکس ہو، اور یہ بھی ثابت ہوگیا |
| من الادراک الحسی لان الادراک | کہ ادراک عقلی ادراک حسی سے افضل ہے؛ |
| العقلی غائص الی الکنہ والادراک | اس لئے کہ ادراک عقلی کی رسائی تہ |
| الحسی واقف علی السطح والمعقولات | تک ہے، اور ادراک حسی کی رسائی |
| متناھیۃ والمحسوسات قلیلۃ | محض سطح تک، اور معقولات کی دنیا |
| وظاہر ان مدرکات القوۃ | غیر متناہی ہے، اور محسوسات کی دنیا |
| العقلیۃ اشرف من مدرکات | محدود ہے تو ظاہر ہے کہ قوتِ عقلیہ کے مدرکات |
| القوۃ الحسیۃ[2] | قوتِ حسیہ کے مدرکات سے افضل ہین، |

اسلئے معلم فارابی کہتے ہین، کہ لذت صرف یہ ہے کہ اپنی ہر خواہش کو حق کے تابع اور اپنی ہر شے حق کی خاطر قربان کردی جائے، اور کبھی اپنی بعض کتابون مین اعتدال کا نظریہ اختیار کرتے ہین،

---

[1] لباب الاشارات ص ۱۲۲ [2] لباب الاشارات فخر الدین الرازی ص ۱۲۴، و ۱۲۵،



چنانچہ اپنے ایک رسالہ "ماینبغی ان یقدم قبل تعلم الفلسفہ" میں پہلے خیال کی تائید مین لکھتے ہین :-

| | |
|---|---|
| وان الحال الذی یجب ان یکون | اس انسان کو جو ارسطو کے علم کا منظر اور تشنہ |
| علیھا الرجل الذی یوخذ عنہ | ہو، اسے چاہیے کہ اس نے اپنے نفس میں گزشتہ |
| علم ارسطو فھی ان تکون فی نفسہ | باتون کو جگہ دی ہو، اور اپنے اخلاق کو درست |
| ما قد تقدم واصلح الاخلاق | اور اپنے نفس شہوانیہ کی اصلاح کی ہو، |
| من نفسہ الشھوانیۃ کما تکون | اس طرح کہ اسکی ہر خواہش محض حق |
| شھوتہ للحق فقط لا للذۃ | کے لئے ہو، نہ کہ لذت کے لئے اور اس |
| واصلح مع ذلک قوۃ النفس الناطقۃ | کے ساتھ ساتھ اس نے نفسِ ناطقہ کی |
| کیما تکون ارادتہ صحیحۃ، | قوت کی بھی اصلاح کی ہوتا کہ اسکے ارادے |

اس کے بعد تیسرا نظریہ اعتدال کا ہے، جسے اکثر کاتبینِ عرب نے اختیار کیا ہے، یہ نظریہ ارسطو کے نظریۂ اعتدال سے ماخوذ ہے، جس کی بنیاد یہ ہے، کہ انسان تین عناصر و قوی سے مرکب ہے، قوتِ عقل، قوتِ شہوانیہ، قوتِ غضب، اس کے بعد ان سے متفرع فضائل چار ہین، پہلے غور و فکر کا مادہ جو قوتِ عقل کا کرشمہ ہے، دوسرے شجاعت کا جوہر جو قوتِ غضب کا مظہر ہے، تیسرے عفت کی فضیلت جو قوتِ شہوانیہ کا صحیح رُخ ہے، پھر ان سب کے بعد چوتھی چیز جو سب کا ضروری جزء اور تمام فضائل کی میزان ہے، وہ عدل و اعتدال ہے، ہمارا نظریہ اعتدال بھی ارسطو کے اسی اصول سے ماخوذ ہے، اس نظریہ کے علم بردار امام غزالی ہین، وہ کہتے ہین، کہ لذت دو وجوہ سے ضروری ہے، اول یہ کہ یہ قیام زندگی کے لئے ناگزیر ہے، دوسرے یہ کہ لذت کے احساس ہی کی وجہ سے ہم لوگون کو جنت کی ترغیب دلا کر اور جہنم سے ڈرا کر دلون کو حق کی جانب مائل کر سکتے ہین چنانچہ لکھتے ہین :-

فانهم ان لم يحسوا ابتهاج اللذات والالم لم يرغبوا في الجنة ولم يحذروا النار ولو وعدوا بما لا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر لما اثر ذلك بمجرده في نفوسهم[۱]

اگر انھیں اس لذت والم کا احساس نہ ہو، تو وہ کبھی بھی جنت کی طرف راغب اور دوزخ سے خائف نہ ہوں گے، اس لئے کہ محض ایک ایسی چیز کے وعدہ سے جسے نہ آنکھوں نے دیکھا ہو، اور نہ کانوں نے سنا ہو، اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا خیال گذرا ہو، دلوں پر اثر نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد لذت کی تقسیم کرکے اعتدال کی صحیح راہ بتلاتے ہیں :-

على الانسان ان يراقب شهوته والغالب عليها الافراط لاسيما الى مقتضى الفرج والبطن والى المال والرياسة وحب الثناء والافراط والتفريط في كل ذلك نقصان وانما الكمال في الاعتدال ومعيار الاعتدال العقل والشرع ....... ومن عرف هذا كان مقصده من الطعام التقوي على العبادة دون

انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی خواہشوں کی جن پر ہمیشہ افراط غالب رہتی ہے نگہداشت کرے، بالخصوص شرمگاہ اور پیٹ کی طلب، مال و حکومت کی تمنا، اور مدح پسندی کی طرف ان کا میلان زیادہ رہتا ہے، ان میں افراط و تفریط ہر حال میں نقصان کا باعث ہے، اور فضل و کمال ہمیشہ اعتدال میں ہے، اور اعتدال کا معیار وہی ہے جسے عقل و شرع متعین کرے ....... اور

[۱] میزان العمل للغزالی ص ۷۰،



التلذذ به فيقتصد ويقتصد لا محالة ولا يشتد اليه شرهه ويعلم ان شهوة الجماع خلقت لتكون باعثة على الجماع الذي هو سبب بقاء النوع محفوظا ليطلب النكاح للولد وللتحصن لا للعب والتمتع[۱]

جس نے اسے سمجھ لیا تو اس شخص کے کھانے کا مقصود بجائے تلذذ کے عبادت کے لئے قیام قوت ہوگا اسلئے وہ لامحالہ اتنے ہی پر اکتفا کرے گا اور اعتدال سے کام لے گا اور لذتوں کی طمع اور ہوس کو تیز نہ ہونے دے گا، نیز اسے یہ جاننا چاہئے کہ جماع کی شہوت صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے، کہ اس سے نوع انسانی کا بقا مقصود ہے، پس نکاح صرف پاکدامنی اور تولید کے لئے کرنا چاہئے نہ کہ لہو و لعب اور تمتع کے لئے۔

اس قسم کا ایک لطیف اشارہ فارابی نے بھی اپنی کتاب "آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ" میں کیا ہے، چنانچہ وہ ان صفات کا ذکر کرتے ہوئے جن سے ایک صاحب فضل و کمال کو متصف ہونا چاہئے وہ لکھتے ہیں :-

(هو) ان يكون غير شره على المأكول والمشروب والمنكوح متجنبا بالطبع للعب ومبغضا للذات الكائنة عن هذه،

وہ کھانے پینے اور ازدواج کا کبھی حریص نہیں ہوگا، اور وہ طبعی طور پر لہو و لعب سے بچنے والا، اور ان سے پیدا ہونے والی لذات کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھنے والا ہوگا،

اس سے معلوم ہوا کہ وہ حصول لذات سے مطلق انکار نہیں کرتے ہیں، بلکہ اس میں اعتدال کے طالب ہیں، اسی لئے "شرہ" یعنی طمع و ہوس کا لفظ استعمال کیا، ترک نہیں کہا، آگے چل کر استغنائے مال کو یوں

[۱] میزان العمل للغزالی ص ۶۸ و ۶۹،

بیان کرتے ہین،

| | |
|---|---|
| (ھو) ان یکون الدرھم والدینار عندہ | اُسکی نگاہ مین درہم و دینار اور دنیا کی |
| وسائر اعراض الدنیا ھنیة | ساری متاع حقیر ہو گی، |

اس تصریح کے بعد اس کے مقابلہ مین مدینۃ جاہلیت کے لذت پرورون اور فاسقین کے اخلاق پر ایک نظر ڈالی ہے،

| | |
|---|---|
| "ھی التی قصد اھلھا التمتع باللذة | یہان کے باشندون کا مقصود کھانا پینا، |
| من الماکول والمشروب والمنکوح | ازدواج و نکاح، لہو و لعب ہر محسوس و |
| بالجملة من المحسوس والتخیل | متخیل لذت سے ہر ممکن تمتع کا حصول ہی، |
| وایثار الھزل واللعب لکل وجہ | |

امام فخر الدین رازی کی رائے کا خلاصہ بھی اعتدال کی حد سے باہر نہین نکلتا ہے، ان کا یہ نظریہ انکی کتاب "الرسالة الفلسفیة" میں بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہے، اس نظریہ کے اظہار کا سبب خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:

| | |
|---|---|
| ان ناسا من اھل النظر والتمیز | بعض اصحاب نظر و تمیز نے جب دیکھا کہ ہم |
| عاینونا واستنقصونا لما رأونا نخالف | امام فیلسوف سقراط کے طریقہ اور مذہب کے |
| سیرة امامنا سقراط الفیلسوف | مخالف ہین تو ہم کو عیب و نقص سے متہم ٹھرا لیا؛ |

رازی کے نزدیک مباح اور جائز لذتون سے متمتع ہونے مین کوئی مضائقہ نہین، بلکہ وہ تارکینِ لذت پر سخت تنقید کرتے ہین، چنانچہ لذت کے حدود کے سلسلہ مین لکھتے ہین،

| | |
|---|---|
| المغبون من اشتری لذة بائدة | وہ شخص خسارہ مین ہے جس نے ایک غیر فانی |

ﻪ المدینة الفاضلہ ص ۶۴ و ۶۶ و ۶۸ و ۶۹،



| | |
|---|---|
| منقطعة متناھیة بدائمة | لا متناہی اور غیر منقطع لذت کے بدلہ مین |
| باقیة غیر منقطعة ولا متناھیة | ایک فانی منقطع اور متناہی لذت کو خریدا |
| لذلك لا ینبغی ان نطلب لذة لابد | اس لئے ہمین کسی ایسی لذت کا طالب |
| فی الوصول الیھا من ارتکاب | نہیں ہونا چاہئے، جس کے حصول مین ایسے |
| امر یمنعنا من التخلص الی عالم | امر کا ارتکاب کرنا پڑے، جو ہمین عالم |
| النفس او یوجب الما مقدارہ فی | نفس تک پہونچنے سے باز رکھے، |
| کمیتہ وکیفیتہ اعظم واشد | یا جس کی وجہ سے ہم ایسے الم سے دوچار ہون |
| من اللذة التی آثرناھا واما | جو کیفیت و کمیت کے اعتبار سے ہماری ترجیح |
| سائر ذلك من اللذات | دی ہوئی لذت سے کہیں زیادہ سخت ہے |
| فمباحة لنا، | اس کے علاوہ باقی اور تمام لذتین ہمارے |

آگے چل کر لکھتے ہین:-

| | |
|---|---|
| الحد الاعلی اللذة ان یمتنع الانسان | لذت کی اعلیٰ حد یہ ہے کہ انسان ان تمام |
| من الملاذ لا یمکن الوصول الیھا | لذتون سے اجتناب کرے، جس کے حصول |
| الا بارتکاب الظلم والقتل، و | مین ظلم و قتل جیسی بُری باتون کا ارتکاب |
| الحد الاسفل اعنی فی التقشف | کرنا پڑے اور اس کی ادنیٰ حد یعنی قناعت و |
| والتقلل فان یاکل الانسان | تقشف کی حد یہ ہے، کہ انسان وہ چیزین |
| مالا یضرہ ولا یحرص علیہ | کھائے، جو اس کو مضر نہ ہون، لیکن انکی |
| ولا یتعدی الی ما یستلذ بہ غایة | حرص و طمع نہ ہو، ایسی چیزون کی طرف |
| الاستلذاذ ویشتھیہ فیکون | حد سے زیادہ رغبت نہ کرے جو اسکی شہوت زیادہ |

القصد الیہ للذۃ والشہوۃ — لذت بخش ہون ورنہ اس سے اس کا مقصد
لاالسد الجوع، — انسداد جوع کے بجائے محض لذت وخواہش
کا حصول ہو جائے گا،

رازی ان لوگون پرجنھون نے اپنے آپ کو بالکلیہ مباح لذات سے روک کر اپنے نفس کو الم کا خوگر بنا دیا ہے، سخت تنقید کرتے ہیں، اسی لئے وہ مسیحی راہبون اور متصوفین اسلام کو اچھی نظرون سے نہین دیکھتے، لیکن اس مین کوئی مضائقہ نہین سمجھتے، کہ ایک فیلسوف بہت سی مباح لذتون کو اس لئے چھوڑ دے کہ اس سے اس کا مقصود تقویت نفس اور اپنے کو عوائد حسنہ کا خوگر بنانا ہو، اس مقصد کے حصول کے خاطر ایک فیلسوف کے لئے ترکِ لذت جائز ہو سکتا ہے، لیکن اسے زہد و تقشف کی عام دعوت بنا دینا کسی طرح معقول اور بہتر نہین ہے،

ان بحثون کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ نظریے عربون کے نہین ہین، بلکہ یونانیون سے ماخوذ ہین، حکماے عرب کے ہان ان نظریات کا کوئی وجود نہ تھا، جب یونانیون کے علوم مسلمانون مین منتقل ہوئے تو ہمارے فلاسفہ نے ان کے بہت سے افکار و خیالات کو اسلامی جامہ پہنا کر اسلام مین داخل کر لیا، اور انھین بڑی ترقی دی، یہ نظریے یونانیون کے یہان ایسی مرتب اور مدون شکل مین موجود نہین تھے، بلکہ محض پراگندہ خیالات اور منتشر رائین تھین، جنھین عربون نے مدون اور مرتب کر کے بہت آگے بڑھا دیا،

---





# تلخیص وتبصرہ

## عباسی عہد کے ظروف اور دوسرے آثار

اسلامی تہذیب کے قدیم آثار کے نمونے ہندوستانی عجائب خانون مین بہت کم ہین، اس کا سبب یہ ہے کہ ان مین ہندوستان کے باہر کے آثارِ قدیمہ کی جانب کم توجہ کیگئی ہے، چھٹی صدی ہجری کے بعد ہی اسلام کا تسلط ہندوستان مین ہو گیا تھا، لیکن اس کے باوجود یہان کے مقابلہ مین شکاگو، بوسٹن، نیویارک، برلن، پیرس اور لندن کے عجائب خانون مین اموی اور عباسی عہد کے تمدن اور فنون کا مطالعہ زیادہ آسان ہے، اب ہندوستان مین بھی ادھر توجہ شروع ہوئی ہے، جس سے شاید یہ کمی پوری ہو سکے، گیارہوین اور بارہوین صدی عیسوی کے چند چھوٹے لیکن نہایت خوبصورت ٹھیکرے فسطاط (مصر) سے ریاست بڑودہ کے عجائب خانہ مین آئے ہین، ظروف سازی مین عربون کے کمال کا پہلا نمونہ پرنس آف ویلس میوزیم بمبئی مین ہے، ان کی بڑی تعداد پارسی فاضل جے ام انولا (J. M. Unvala) نے قدیم سوسا کے کھنڈرات کی کھدائی کے سلسلہ مین ۱۹۲۶ء سے لیکر ۱۹۲۹ء تک جمع کیا تھا، سنہ ۱۸۴۹ء سے یعنی جب سے برطانوی کونسل لوفٹس (W. K. Loftus) نے سوسا کو ایران کے کیانی بادشاہون کا سرمائی پایہ تخت بتایا ہے، علماء کی دلچسپی اسکی جانب بہت بڑھ گئی ہے، چنانچہ ۱۸۸۳ء مین فرانسیسی آثار قدیمہ کے مشن نے مشہور عالم، ام ڈیلا، فو ڈی مارگن (M. Dieulafoy de Morgan) ۱۸۹۷ء اور آر۔ ڈی۔ مکیونم (R. de Mecquenem) کی زیر نگرانی

اس جگہ کا پتہ چلایا ہے، ان کی تحقیقات کے مطابق سوسا انسانی تاریخ کا بہت بڑا مرکز ہے، یہان قبل تاریخ کی بہت سی آبادیون کے بعد دیگرے بڑے بڑے شہرون کے کھنڈرات کا پتہ چلا ہے، قبل تاریخ کی بہت سی آبادیون کے نشانات بھی ملے ہین، جو قریب قریب سندھ کے مہنجو دارو کے دور کی تہذیب سے جو اپنے بابلی کلچر کے ساتھ ایلی سلطنت کا پایہ تخت تھا، مل جاتے ہین، یہان کیانیون کے وہ شہر اور محلات ہین جنھون نے حضرت دانیال علیہ السلام اور یہودی ملکہ ایستھر کو دیکھا تھا، یہان یونانی سفیر بھی آئے تھے، یہین سکندر مقدونی نے ایران کے آخری تاجدار کی لڑکی سے شادی کی تھی، ساسانی بادشاہ شاپور اول نے نیشاپور کی بنیاد یہین ڈالی تھی، پھر اسلامی دور مین یہ مسلمانون کا ایک صوبہ ہوگیا جس کو بہت دنون کے بعد چنگیز خانی فوجون نے تباہ کر دیا، یہان عربون کے گھرون کے کھنڈرون مین ایک کمہار کا چاک اور سوسا کے مشرقی کھنڈرون کے ایک کنوین سے مسلمانون کی یادگارین نکلی ہین، جو اب پرنس آف ویلس کی ملک ہین،

اس مین کچھ تو دسوین یا گیارھوین صدی عیسوی کی ہین، لیکن زیادہ تر نوین صدی یعنی خلفاے عباسیہ (۸۳۸-۸۸۳) کے سامرہ کے شاندار محل کی ہم عصر ہین، ان کھنڈرات کو سب سے پہلے گذشتہ صدی مین فرانسیسی، جرمن اور برطانوی علماے آثار قدیمہ نے کھودا تھا، اب یہ کھنڈرات عربی تمدن کے دور شباب کے سب سے بڑے اثری قیاسیات ثابت ہوے، یہ بمبئی کے عجائب خانہ کی خوش قسمتی ہے، کہ اس کے پاس خاص سامرہ کے ظروف کے بھی بعض چھوٹے چھوٹے ٹکڑے موجود ہین،

اس زمانہ کے مقبول برتن جن کے نقش ونگار ناخن اور انگوٹھے سے بنائے جاتے تھے، بہت ممتاز ہین، دوسرے بے آب برتنون میں جن مین نازک پھول اور پتیان ہین، قدیم بابلی کلچر کا نقش ملتا ہے، اور انھیں عربی یا ساسانی کہنا مشکل اور بعض وقت ناممکن ہو جاتا ہے، ایسے منقش



ظروف بھی ملے ہین، جن کے متعلق اگر کافی شہادت نہ مل جاتی کہ وہ مسلمانون کے بنائے ہوئے ہین، تو بعض علما انھیں قدیم مشرق کے تمدن کی یادگار سمجھ رہے تھے،

گبری برتنون سے بھی ساسانی روایات کا پتہ چلتا ہے، اگرچہ ان کے نام ان کو آتش پرستون سے قریب کرتے ہین، لیکن ان کے نقوش اس خاص طرز کے ہین، جیسے ایران، خاصکر سوسا، ہمدان، زنجان، امل رے، اور کرمان شاہ وغیرہ مین آٹھوین صدی عیسوی سے لیکر گیارھوین صدی تک اسلامی ظروف پر بنتے تھے، بدقسمتی سے بمبئی کے عجائب خانہ مین ان کے سالم نمونے نہین ہین، بلکہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہین، جن سے پوری وضاحت نہین ہوتی، اور دوسرے نمونون مین بیرونی اثرات کا بھی پتہ چلتا ہے، سب سے خوبصورت ایک چھوٹا سا ساغر یا پیالہ ہے، برتنون کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نفیس نازک اور سفید مٹی کے ہین، ان پر بہت ہی ہلکے خوبصورت ابھرے ہوئے نقوش ہین، جو اپنی نزاکت اور نفاست کی وجہ سے سانچے مین ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہین، یہ نقوش جن مین پھولوں کے ہار اور تمغے، لیکن زیادہ تر انگور کی بیلوں کے زیور ہین، خالص بیزنطینی معلوم ہوتے ہین، ماہرین آثار قدیمہ اس کی اصل شام تبلاتے ہین، جو اسلام کے قبل کئی صدیون تک رومیون کے قبضہ مین رہ چکا ہے، اور جہان بیزنطینی طرز عہد عباسیہ تک قائم رہا، لیکن یہ ٹکڑے سوسا مین ایک ظروف ساز کے گلخن میں پائے گئے ہین، اس لئے وہ یقیناً مقامی صنعت کی یادگار ہین، اس تضاد کی صرف یہ توجیہ ہوسکتی ہے، کہ یہ برتن ان شامیون کی صنعت کی یادگار ہین، جو مشرق مین بس گئے تھے، اور شامی اور یونانی کاریگر عراق میں کام کرتے تھے، عباسی عہد کے بغداد اور سامرہ کے کھنڈرات میں مزدورون کے جو نشانات ہین، ان سے ان کی مزید تائید ہوتی ہے، دریاے کرخہ کے کنارے حویزہ کے علاقہ مین سوسا کے قریب باطنی فرقہ کے عیسائی بھی رہتے تھے، یہان کے نوین صدی عیسوی کے دو برتن ڈاکٹر انولا کے ذریعہ بمبئی کے عجائب خانہ مین آئے ہین، ان پر باطنی فرقہ کے کچھ مذہبی کلمات لکھے ہوئے ہین،

اگرچہ اس کا طرز بیزنطینی معلوم ہوتا ہے، لیکن انگور کی بیلوں کے زیور تو خالص ایشیائی ہین، جس سے رومی فنون دوسری صدی کے اواخر مین متاثر ہونے لگے تھے، شروع مین یہ طرز شام اور عراق سے وہان پہنچا، اور اتنا مقبول ہوا، کہ رومی سلطنت کی آرایش کا سب سے بڑا جزو بن گیا، اور اوس کے دار السلطنت بزنطین تک پہونچ گیا، اوس کی اصل کلدانی تہذیب ہے، جہان انگور کی بیلون کے بجائے کھجور کے درخت ہوتے تھے، جنھین شجر حیات سمجھا جاتا تھا، اس عہد کے مذہبی ہیجان مین جو عیسائیت کے ظہور سے لیکر اسلام کے طلوع تک قائم رہا، انگور کی بیلون ہی کو شجر حیات سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ڈیونس (Dionysus) دیوتا کے اعزاز مین قدیم یونانی جشن کے زمانہ سے ان کو روحانی زندگی کا مظہر تصور کیا جاتا تھا، عیسائیون مین اس سے وصال حق (مسیح) کی تمثیل دیجاتی تھی، اسی لئے وہ قرون وسطیٰ کے اوائل مین یورپ کے سارے فنون پر چھا گیا تھا، اسلامی دور مین بیت المقدس کی مسجد عمر اور اموی دور کے ایک صحرائی قلعہ مین اس کا نقش نظر آتا ہے، بعد مین ساسانی روایات سے مل کر اس نے مشہور طغرائی شکل اختیار کرلی،

اسی سلسلہ مین پانچ شیشہ کے گلاس اور عطردان بھی جس مین چار پائے ہین، قابلِ ذکر ہین، اس سے بھی بیزنطینی روایات کا پتہ چلتا ہے، اگرچہ وہ ایک نازک چیز ہے، لیکن اب تک احتیاط سے محفوظ ہے، اتنے دنون تک زیر زمین مدفون رہنے کی وجہ سے اس کے حسن مین کمی کے بجائے اور اضافہ ہوگیا ہے، اور ایک خاص قسم کی سُرخی مائل چمک آگئی ہے،

کانسہ کا ایک سادہ قرابہ بھی ہے، یہ ایک کیانی محل سے برآمد ہوا ہے، یہ نسبتہً زیادہ محفوظ حالت مین ہے، یہ بھی نوین یا شاید دسوین صدی عیسوی کا معلوم ہوتا ہے،

دوسری سمت کے آثار سے مشرق بعید کے اثرات مترشح ہین، سلطنت عباسیہ کے اواخر مین چینی کے ظروف کی درآمد کا سب سے بڑا ذریعہ مبادلہ تھا، بمبئی کے عجائب خانہ مین دو سالم مٹی کے برتن ہین



جن پر سبز اور کریم رنگ کی گلکاری ہے، جو سامرہ کے مخصوص طرز کے معلوم ہوتے ہین، فرسار (F. Sarre) نے اپنی ایک بلند پایہ تصنیف مین سامرہ کی ظروف سازی پر لکھا ہے، کہ یہ طرز چینی مٹی کے مشہور برتنون کی نقل ہے، جو ٹی انگ (T'ang) شاہون (۹۰۶-۶۱۸) کے زمانہ مین یہان داخل ہوئی، ٹی انگ کے دور کے چینی کے برتنون کے ٹکڑے سامرہ مین پائے گئے ہین، اور سخت چینی مٹی کے سفید اور سبز اور زرد رنگ کے ملے جلے ہوئے برتنون کے ٹکڑے بمبئی کے عجائب خانہ مین موجود ہین، جو سامرہ اور سوسا سے لائے گئے ہین، سبز اور زرد رنگ کے عربی ظروف چینی طرز پر بنائے جاتے تھے، یہ چیز ایک ٹکڑے سے جو سوسا سے لایا گیا ہے، ظاہر ہو جاتی ہے، اس پر نہایت خوبصورت چینی حروف لکھے ہوئے ہین، اگرچہ ان کے مفہوم سمجھنے مین غلطی ہوئی ہے،

جب وسط ایشیا کے خانہ بدوش صحرائیون کے پے درپے حملون نے عباسیون اور ایرانی سلطنتون کو نقصان پہنچایا، اور مشرق قریب مین معاشرتی اور سیاسی انقلاب برپا ہوا، اس وقت سے مشرق بعید کا اثر گہرا ہوتا گیا، سلجوقیون نے اپنے دور مین وسط ایشیا کے غیر مسلمون، ایرانی اور ہندوستانی وغیرہ مختلف اقوام کے فنون لطیفہ کو رائج کر دیا تھا، تاتاریون کے پیدا کردہ انقلاب نے عرب، بزنطینی اور ساسانی روایات کو مٹا کر چین اور وسط ایشیا کے فنون کو مسلط کر دیا، یہی وہ زمانہ تھا جب پہلی مرتبہ چین کا اثر یورپ پہنچا، جس نے بزنطینی روایات کو ختم کر دیا، اور ان کے بعد رفتہ رفتہ مشرق بعید کے اثرات آہستہ آہستہ گھٹنے لگے، اور اسلامی فنون لطیفہ کی روح اون کے اندر داخل ہوتی گئی،

بمبئی کے عجائب خانہ کے چند ٹکڑون کی روشنی مین ہم ان تدریجی تغیرات کا کچھ پتہ چلا سکتے ہین، ایرانی ظروف کے ٹکڑون پر گہرے نیلے اور کریم رنگ کے چمکیلے ابھرے انگور کی بیلوں کے نقوش ہین، یہ ٹکڑے اس قدر چھوٹے ہین، کہ ان سے ان کے زمانہ کا تعین نہین کیا جا سکتا، لیکن غالباً وہ سلجوقی عہد یعنی گیارہوین اور بارہوین صدی کی یادگار ہین، سُرخی مائل بادامی رنگ کا ایک دوسرا

محفوظ اور سالم مٹی کا برتن ہے، یہ اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس پر ان برجیون کے نقش ہین، جو موجودہ تحقیق کے مطابق دہلی مین کبھی قطب مینار کے در اور شہ نشینون مین تھین، دوسرے ٹکڑون مین دیوار کی تزئین و آرایش کا وہ طرز ہے جو آخری خوانین کے زمانہ مین رائج ہوا تھا، اور تیمور لنگ کے زمانہ مین اپنے انتہائی عروج کو پہنچا، اور ہندوستان مین بہمنی اور مغلون کے ذریعہ داخل ہوا، (اگرچہ انفرادی طور پر لودی اور سوری بادشاہون نے بھی اس کو رائج کیا تھا) اور آخر مین سفید اور نیلی مٹی کے برتن منگ اور منچو خاندان کے زمانہ سے مشہور ہوئے، اور انہی کی نقل ایران، ترکی اور سترھوین صدی کے ہندوستان مین اتاری گئی، اس کا بہت بڑا ذخیرہ حیدرآباد کے عجائب خانہ مین موجود ہے،

(ا - ع)

# غیر ہردلعزیزی کے اسباب

ہردلعزیز ہونے کی خواہش انسانی فطرت مین داخل ہے، ہر انسان چاہتا ہے، کہ اسکے بہت سے دوست ہون، جو اس کے اشارے کے منتظر رہین، جو کام چاندی کے سکون سے نہ نکل سکتا ہو، وہ اس کے ادنی تبسم سے ہو جائے، اور جو چیز توپ اور تفنگ سے نہ رک سکتی ہو، وہ اسکی نگاہ خشمگیں سے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے، جن دلون مین حکومت کا سکہ نہ چلتا ہو، وہان اس کا سکہ روان ہو، گویا وہ سب کی محبت، عقیدت، فریفتگی اور جان نثاری کا مرکز ہو، لیکن عموماً ایسے لوگون کا رویہ بہت ہی گمراہ کن ہوتا ہے، جس کا نتیجہ بالکل برعکس نکلتا ہے، اس غلط طرز عمل کو نفسیاتی اصطلاح میں "خودمرکزیت" کہتے ہین،

ہردلعزیزی کا راز اس صلاحیت مین مضمر ہے، کہ انسان دوسرون سے گہری دلچسپی لے سکے، اور اپنی ذات کو بھول جائے، اگر کوئی شخص انانیت کے فریب مین ایسا مبتلا ہو کہ ہر وقت اسی فکر مین رہے، کہ اسکی شخصیت دوسرون پر کس حد تک اثر انداز ہو رہی ہے، دوسرون کی



نگاہون مین اسکی کتنی وقعت ہے، اس کے خود ساختہ قوانین پر کس حد تک عمل ہو رہا ہے، اور اسی طرح کے دوسرے ذاتی معاملات اس کے دل مین رہین، تو سمجھ لیجئے کہ وہ شخص کبھی خوش اور مطمئن نہین رہ سکتا

بعض لوگون مین یہ خودمرکزیت بالکل عریان ہوتی ہے، اور بعض مین پردون مین لپٹی ہوئی، جو بظاہر نظر نہین آتی، لیکن نتیجہ دونون کا ایک ہوتا ہے، اس کمزوری کی مختلف صورتون پر نگاہ رکھنی ہردلعزیزی کے لئے ضروری ہے،

(۱) رکیک خودغرضی، بعض لوگ صرف اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوستی کرتے ہین، اور ایسے ہی لوگون سے تعلقات بڑھاتے ہین، جن سے کچھ کام نکل سکتا ہو، ایسی غرض کی دوستی فوراً پہچان لیجاتی ہے، اور وہ انسان ہر اوس شخص کی نگاہون سے گر جاتا ہے، جو اس خفیف حرکت کو سمجھتا ہے، ایسے لوگون کے لئے خاص خاص نام ایجاد ہوے ہین، جیسے ابن الوقت، خوشامدی، اور دسترخوان کی بلی وغیرہ،

(۲) خودی اور خودپسندی، جو شخص اپنی بڑائی کے متعلق غلط رائے رکھتا ہے، اور ہر شخص سے اپنی عزت کا متوقع رہتا ہے، اور ہر شخص کو اپنے سے فروتر سمجھتا ہے، اسکی حالت بہت قابل رحم ہوتی ہے، مثلاً اس قسم کی خودی کہ اس کا ہر اشارہ حکم کا درجہ رکھے، کوئی بات اس کی شان کے خلاف نہ ہونے پائے، اور اگر کوئی ادنی بے عنوانی بھی ہو جائے، تو وہ سخت سے سخت سزا کی موجب ہو، ایک فوجی افسر کے لئے اور وہ بھی اس کی ڈیوٹی پر تو مناسب ہو سکتی ہے، لیکن اگر گھریلو زندگی مین بھی اسکے یہی تیور قائم ہین، تو لوگ اسکی صورت سے بیزار ہو جائین گے، اور وہ خود ایک گوشہ مین تن تنہا اپنی قابل نفرت زندگی پر سوچتا رہے گا،

اس کے یہ معنی نہیں ہین کہ کوئی شخص اپنی ذاتی خوبیون اور کامیابیون پر ناز نہ کرے لیکن یہ ضروری ہے کہ اس کو دل میں رکھے، اور اس کا ڈھنڈورا نہ پیٹے، اگر کوئی شخص مبارکباد بھی پیش کرے

تو بھی اس پر فخر و مباہات نہ کرنا چاہئے، کیونکہ بہت زیادہ خودستائی دوسرون کو بھلی نہیں معلوم ہوتی، عام انسانون کو یہی توقع ہوتی ہے، کہ وہ شخص کچھ انکسار اور تواضع کا بھی اظہار کرے، ماں باپ اس کو خوش ہو کر سن لین گے، لیکن عام انسانون کو اتنا فیاض سمجھنا حماقت ہے، ایسے لوگوں میں ایک اور عیب یہ ہوتا ہے، کہ وہ اپنے کو بڑا اور بہتر جتانے کے لئے ہر شخص کی شکایت اور بُرائی کرتے ہین، لیکن اس کا اثر لوگون پر بالکل الٹا ہوتا ہے، لوگ یہ سمجھتے ہین کہ جو شخص دوسرے کے عیوب ہی کو دیکھتا ہے، اس کے اندر خود بھی کوئی خوبی نہین ہوتی، اور ایسا شخص کبھی ہر دلعزیز نہین ہوسکتا،

(۳) خود احساسی، یہ اکثر انتہائی انکسار کے بھروپ مین نظر آتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو اس سے کوئی علاقہ نہین ہوتا، دوسرون کی حالت کے بجائے وہ خود اپنی ذات کے متعلق اتنا سوچتا ہے، کہ اپنے گرد و پیش کے لئے وبال ہو جاتا ہے،

ایسا شخص عجیب و غریب حرکتون، غلط سلط گفتگو، گھبراہٹ، پریشانی اور تلوّن وغیرہ متضاد حرکتون سے اس کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، کہ دوسرے اس سے خوش ہون اور اس کے متعلق اچھی رائے قائم کرین، لیکن وہ دوسرون کی رائے کا تو پتہ چلا سکتا نہین، صرف اپنی حرکات سے خود رائے قائم کر لیتا ہے، اس کی نگاہ ہمیشہ اپنی ذاتیات پر ہوتی ہے، جب انسان اس فریب سے چھٹکارا پا جائے کہ وہ تمام لوگون کی توجہ کا مرکز ہے، تو خود احساسی کے مرض سے نجات پا جائے گا،

جب ایسا شخص نیا کپڑا پہن کر پہلی مرتبہ باہر نکلتا ہے، تو اس کے متعلق حد سے زیادہ خود احساس ہوتا ہے، وہ کبھی اپنے کپڑون اور کبھی لوگون کی نگاہون کو دیکھتا ہے، لیکن کیا درحقیقت لوگ اس کے کپڑون کو دیکھتے ہین؟ اگر وہ اپنا دماغی توازن قائم کر کے دیکھے، تو اس کو معلوم ہوگا، کہ کسی نے ان کپڑوں کی جانب توجہ بھی نہین کی، ہر شخص اپنے خیال مین رہتا ہے، کون ان چیزون کی طرف توجہ کرتا ہے، یہ محض اس شخص کا فریب نفس ہے کہ لوگ اُسے دیکھ رہے ہین،



(۴) جذباتی افسردگی، جو شخص اپنے کو مسکین، قابلِ رحم، اور دوسروں کو قصوروار سمجھتا ہے، وہ کبھی ہر دلعزیز نہین ہو سکتا، اگر کوئی شخص کسی کے سامنے اپنی مصیبتوں کا دکھڑا رو کر اس سے مدد کا خواہان ہو تو عام انسان اس کے ساتھ ہمدردی کر سکتے ہین، لیکن عموماً جذبات کے روگی مدد نہین چاہتے، اور نہ کسی کو اپنے معاملات میں دخل دینے دیتے ہین، وہ صرف یہ جتانا چاہتے ہین، کہ وہ بہت ہی ستم رسیدہ ہین، وہ اپنی بدبختیون کا دفتر کھول دیتے ہیں، کہ انھون نے ہر شخص پر احسان کیا، ان کے آڑے وقت کام آئے، دکھ درد میں ساتھ دیا، لیکن کسی نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہین کیا، اگر کوئی ہمدرد انھین یہ بتائے کہ تم اپنے احسانون سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہو، اور لوگون پر بے جا ناز کرتے ہو، تو وہ بُرا مان جاتے ہین، وہ زمانہ اور اشخاص کے شاکی ہوتے ہین، اور اپنی کمزوریون پر نظر نہین ڈالتے،

ایک جذبات کے روگی کی خودغرضی اتنی ہی تکلیف دہ ہے، جتنی خود پرست کی بڑائی، صرف فرق یہ ہے، کہ یہ نہایت ہوشیاری سے بھیس بدلے ہوتی ہے، کوئی اسے خودغرض نہیں کہتا، مگر کوئی اُسے پسند بھی نہیں کرتا،

(۵) جذبۂ اقتدار، چونکہ علانیہ اقتدار و تحکم کے جذبہ کو ہر شخص حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اسلئے بعض لوگ اس کو معاوضہ کی صورت مین حاصل کرنا چاہتے ہین، اگر کوئی شخص یہ شکایت کرتا ہے، کہ میں فلان شخص کے کام آیا، لیکن وہ احسان نہین مانتا تو سمجھ لیجئے کہ اس کا احسان بے لوث نہین تھا، وُہ احسان کر کے اس پر تسلط جتانا چاہتا تھا، بے لوث محسن معاوضہ کا خواہشمند نہین ہوتا، اگر کوئی شخص کسی پر احسان کرتا ہے، تو وہ احسان شناس فطری طور پر اپنے محسن کی قدر اور اس کی عزت کرتا ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ احسان کے بدلے مین اس پر حکومت کرنا چاہتا ہے، تو وہ اس سے متنفر ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی مہربانی کے پردہ مین اس کی ذاتی غرض معلوم ہو جاتی ہے،

احسان اور مہربانیون سے کسی کو غلام بنانا ذلیل ترین حرکت ہے، ایسی ہر دلعزیزی کو کبھی قیام نہین ہو سکتا،

خود مرکزیت کسی صورت مین ہو، ہر دلعزیزی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، دوسرون کی کمزوریون سے فائدہ اٹھانا کبھی بھی مفید نہین ہو سکتا، ہر دلعزیزی کا صحیح اصول یہ ہے، کہ ان لوگون سے محبت اور دوستانہ تعلقات قائم کئے جائین جن کی خوبیون کا دل معترف ہو، نہ کہ اپنے اغراض کے لئے ان لوگوں سے رشتہ جوڑا جائے جن سے کام نکلتا ہو، اگر کسی کا مقصد دوسرون کو خوش رکھنا ہے تو فطری طور پر دوسرے بھی اس کو خوش رکھین گے، لیکن اس میں کوئی غرض شامل نہ ہونی چاہئے، اگر انسان اتنا بلند ہو جائے، تو وہ خود بخود ہر دلعزیز ہو جائے گا، مگر اس کو اس کا متوقع نہ ہونا چاہئے،

(ا-ع)

## رحمتِ عالم

مبتدی طالب علمون، کم پڑھے لکھے لوگون، بچون اور عورتون کے لئے سیرت نبوی صلعم کی ایک ایسی مختصر، سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی، جس کے بیان میں کوئی الجھاؤ اور عبارت مین کوئی دقت نہ ہو، پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہون اسی ضرورت کو سامنے رکھکر سیرت نگار نبوی **سید سلیمان** ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھ کر شائع کی، اور اس کا سارا منافع دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مین چھوٹے بچون کے دار الاقامہ کے لئے وقف کر دیا ہے، یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد مین چھپی ہے، ضرورت ہے کہ ہر مسلمان بچہ کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ہو، اہل خیر کو اسکی خریداری سے انشاء اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا، قیمت فی نسخہ ۸؍ ہے، لیکن ۲۰ نسخون کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا، مجلد کی قیمت ۲؍ فی نسخہ زائد ہوگی،

"منیجر"



# اخبار علمیہ

## عجیب و غریب لیمپ

ڈاکٹر ان ٹی گورڈن نے ایک عجیب و غریب لیمپ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعہ گیس، بو، سردی گرمی وغیرہ جیسی غیر مادی چیزون کو بھی آنکھون سے دیکھا جا سکتا ہے، اسکنگڈی کی تجربہ گاہ مین عنقریب اسکی نمائش کی جائیگی، گویہ ایک چھوٹا سا بجلی کا لیمپ ہے لیکن اپنی قوت کے لحاظ سے یہ ایک دوسرا آفتاب ہے، اس طاقت کا لیمپ دنیا مین ابتک ایجاد نہیں ہوا،

چند مہینے ہوئے اتفاقی طور سے اسکی قوت کا اس طرح پتہ چلا کہ ڈاکٹر اور اس کا نائب ڈاکٹر آر بی، جونس، سرچ لائٹ کا ایک نئی قسم کا عاکسہ دریافت کرنے کے سلسلہ مین اس لیمپ پر آخری تجربہ کر رہے تھے، اور سرچ لائٹ کی روشنی ان کے معمل مین پڑ رہی تھی کہ یک بارگی ڈاکٹر کی نظران عجیب و غریب خطوط پر پڑی، جو اس کی کھڑکی کے شیشے سے گذر رہے تھے، اور یہ دیکھکر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کہ روشنی کی یہ کرنین جو آلپین کی نوک جیسی باریک جگہ سے گذر رہی تھین، شیشے پر ایسے تغیرات کا نشان دے رہی تھین جن کا آنکھون سے اب تک مشاہدہ نہین کیا گیا تھا،

اس مشاہدہ نے ڈاکٹر موصوف کو غیر مرئی اشیاء کے متعلق تحقیقات کی نئی راہ دکھائی، اور اوس نے لیمپ کی روشنی ایک سفید پردے پر ڈالی، جب اسکی سفید کرنین مختلف عرقیات گیس یا دوسری شفاف اور غیر مادی چیزون سے ہو کر گذرتین، تو ان چیزون کا سایہ سفید پردے پر پڑنے لگتا،

یہ سایے جو لاشعاع کی تصویرون (X - Rays) کی طرح ہوتے ہین، غیر مرئی اشیا، کو مختلف عوتون سے بے نقاب کرتے ہین، مثلاً بدن کے بخارات یا کسی خوشبو کی بوتل کو کھولنے کے بعد دھندلے بادل کی طرح اس سے ایک چیز اوپر اٹھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، جو یقینی بو ہوتی ہے، ڈاکٹر موصوف نے تھوڑا سا کاربن ڈاکسائڈ انڈیلا، اس کے اس عمل سے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے پردہ پر اس کے سایہ نے بڑھکر شمع کو بجھا دیا، اسی طریقہ سے ایک گلاس پانی جب اس کے سامنے رکھا گیا، تو کیمیائی ردعمل کے تغیرات اور مختلف بے رنگ عرق کا امتزاج صاف معلوم ہونے لگا،

ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے کہ اس نئے تجربہ سے شیشے کی چیزون کو جانچنے کے لئے فیکٹریون مین کام لیا جا سکتا ہے، نیز اس سے کیمسٹری کے طلبہ کو کیمیائی ردعمل اور دوسری چیزون کا عینی مشاہدہ نصیب ہوسکتا ہے جو اب تک اُنکی آنکھون سے مستور رہتا تھا،

## بچّون کی تعلیم کا نیا طریقہ

لونگ بیچ کیلف (Long beach Calif) کے پبلک اسکولون مین خاص سائنٹفک اصولون پر ایک کلاس قائم کیا گیا ہے، جہان ایسے لڑکون کو تعلیم دیجاتی ہے، جن کی بصارت اور سماعت کی قوت کمزور ہوتی ہے، قوت سماعت کی کمزوری کی تلافی کے لئے ایک آلہ ہے، یہ آلہ ریڈیو کی شکل کا ہوتا ہے، اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے، کہ لڑکا کتنا سن سکتا ہے، استاد ایک خاص کمرے مین مائکروفون پر بولتا ہے، ہر لڑکے کے پاس ایک آلہ آواز ملانے اور ایک سننے کے لئے ہوتا ہے، سننے کا آلہ کان مین لگایا جاتا ہے، اور آواز ملانے کا ٹیبل پر رکھدیا جاتا ہے،

اسکی مدد سے ہر لڑکا اپنی ضرورت کے مطابق آواز ملا لیتا ہے اس سے اسکو سننے مین کوئی دشواری نہین ہوتی، جن لڑکون کی آنکھیں خراب ہین، اُن کی تعلیم کے کمرے بھی اسی لحاظ سے بنائے گئے



ہین، کہ طلبہ کی آنکھون پر زور نہ پڑے، ان کی کتابین ڈیسک اور کاغذ مین چمک نہیں ہوتی، پنسلیں بڑی اور چاک خاص قسم کے ہوتے ہین، جن سے آنکھون کو دیکھنے مین بڑی مدد ملتی ہے، جن لڑکون کی ایک آنکھ خراب ہوتی ہے، وہ اپنی اچھی آنکھ پر پردہ کا چشمہ لگا لیتے ہین،



## بجلی سے جنون کا علاج

برقی جھٹکون سے جنون کا علاج جدید دنیاے طب کا حیرت انگیز کارنامہ ہے، نیویارک کے دماغی ہسپتال مین اس مرض کے مایوس العلاج مریضون پر اس کا تجربہ کیا گیا ہے، جس مین پوری کامیابی ہوئی، اور اس علاج سے مریض اپنی اصلی حالت پر آگئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بجلی کے فیتے کان کے اوپر سے سر مین لپیٹ دیئے جاتے ہین، اور ستر سے لے کر سو وولٹ تک کی بجلی دماغ سے گذاری جاتی ہے، اس عمل سے مرگی کے دورہ کی طرح سخت تشنج پیدا ہو جاتا ہے، یہی تشنج مرض کا علاج بنجاتا ہے، بعض مریضون کو ایک ہی جھٹکے سے فائدہ ہو جاتا ہے، جو یقینی ایک معجزہ ہے، بعض کے لئے اس سے زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اس کے بعد ان کی دماغی حالت بالکل درست ہوجاتی ہے،

اس عمل سے نہ کوئی تکلیف ہوتی ہے، اور نہ بعد مین کوئی دوسرا نقصان دہ اثر باقی رہتا ہے، بلکہ مریض ایک عام انسان کی طرح اپنی زندگی بسر کرتا ہے، اس علاج مین کچھ زیادہ خرچ بھی نہیں ہوتا،

## امریکہ کی علم نوازی

ترقی یافتہ قومین اپنے اہل کمال کی جتنی قدردانی کرتی ہین، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ممالک متحدہ امریکہ نے اپنے پانچ بڑے سائنس دانون اور موجدون کی یادگار مین پانچ ٹکٹ جاری کئے ہین، جن کے ایک طرف ان کی تصویرین ہین اور دوسری طرف انکی مختصر تاریخ،

پہلا ایک سنٹ کا ٹکٹ، ایلی وہٹنی ۱۷۶۵ء تا ۱۸۲۵ء (ELI-WHITNEY) کے نام پر ہے جسکی ایجاد نے سوتی کارخانون مین انقلاب پیدا کر دیا، دوسرا دو سنٹ کا ٹکٹ سیموئل اف بی مورس ۱۷۹۱ء تا ۱۸۷۲ء (Samuel F.B. Morse) کے نام پر ہے، جس نے ۱۸۳۵ء مین ٹیلیگراف ایجاد کیا تھا، تیسرا تین سنٹ کا ٹکٹ سائرس اچ میکورمک ۱۸۰۹ء تا ۱۸۸۴ء (Cyrus H. McCormick) کی یادگار مین ہے، اس نے فصل کاٹنے کی مشین ایجاد کی تھی جس سے زراعت کو غیر معمولی ترقی ہوئی، چوتھا ٹکٹ سینے کی مشین کے موجد الیس ہو ۱۸۱۹ء تا ۱۸۶۷ء (Elias Howe) اور پانچوان دس سنٹ کا ٹکٹ ٹیلی فون کے موجد الکزنڈر گریہم بل ۱۸۴۷ء تا ۱۹۲۲ء (Alexander Graham Bell) کے نام پر ہے، اڈیسن کا نام اس فہرست مین نہین ہے، کیونکہ اس کے اعزاز مین اس سے پہلے ایک مخصوص ٹکٹ جاری ہو چکا ہے۔

## آبی کوٹ

ایک انگریز موجد نے برطانوی بحری امارت کو ایک اورکوٹ پیش کیا ہے، اس کی مدد سے انسان بغیر تیرنا سیکھے ہوئے پانی مین ڈوبنے سے محفوظ رہتا ہے، یہ اورکوٹ گبرڈین کا ہے، اس کے اندر کارک سے بھی ہلکی، اور سبک چیز ہوتی ہے، جس کا وزن موجودہ لائف بلٹ سے کہین کم ہے، اور اس سے کئی گنا گرم بھی ہے، کیونکہ اس کے اندر گرمی پہنچانے کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، یہ اپنی ارزانی کے لحاظ سے نہ صرف حکومت کے ضروریات کے کام آسکتا ہے، بلکہ سمندر کے خطرات سے بچنے کے لئے اس سے بہتر کوئی چیز ایجاد ہی نہین ہوئی ہے، اس سے عام لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہین۔

(ا-ع)



# ادبیات

## لیلۃ القدر

از

جناب روشن صدیقی

(۱)

جاگ اے روحِ گران خوابیٔ دیرینہ سے
آج بیداریٔ کونین کی رات آئی ہے
شمعِ احساس ہے پھر زینتِ محرابِ ضمیر
پیشِ ادراک کشادہ ہے کتابِ تقدیر
آج ہر رازِ نہفتہ ہے سراپا تفسیر
شب نہین، روشنیٔ صبحِ نجات آئی ہے

(۲)

دور ہین کشفِ حجابات کے پیمانے ہین
چہرۂ ماضی پنہان ہے برافگندہ نقاب
اٹھتے جاتے ہین بہ ہر لحظہ حجابون پہ حجاب
کہکشان چھیڑ رہی ہے کوئی دیرینہ رباب
یہ ستارے ہین کہ بھولے ہوئے افسانے ہین

(۳)

یہ شبِ نور، یہ گردون کا سرودِ بیدار
ایک پیغام ہے معمورۂ امکان کیلئے
مہ و انجم ہین اشارے دلِ انسان کیلئے
ہین یہ اسرارِ خدا صاحبِ عرفان کیلئے
منزلِ فکر و نظر ہے یہ جہانِ انوار

(۴)

زندگی لوحِ تصور پہ نمودار ہوئی
قافلہ ہے کہیں کھوئے ہوئے ارمانون کا
کہین ہنگامہ ہے گذری ہوئی طوفانون کا

وہی عنوان، وہی عالم، ہو سب افسانوں کا

جیسے دنیا یہ ابھی خواب سے بیدار ہوئی

(۵)

اے مری روح! تجھے یاد ہو، رودادِ حیات

آکہ پھر ایک نظر جانبِ آغاز کرین

حسرتِ راز کو تصویر کشِ راز کرین

طائرِ وقت کو آمادۂ پرواز کرین

پھر ہے مانوسِ چمن نکہتِ بربادِ حیات

(۶)

دیکھ، اعمال میں اخلاص کی بو ہو کہ نہین

کتنے لمحات ہین تلبیس و ریا سے خالی

کتنے آنسو ہین غمِ حرص و ہوا سے خالی

کتنے ارمان ہین توہینِ وفا سے خالی

کہین تقدیسِ محبت کی نمو ہے کہ نہین

(۷)

حسرتین کتنی ہین تسلیم و رضا سے معمود

رنج و غم راہِ صداقت مین اٹھائے کتنے

اشک الفت مین غریبون کی بہائے کتنے

خواب ایثار کے آنکھون مین بسائے کتنے

کتنی راتین ہین مناجات و دعا سے معمور

(۸)

کبھی روشن ہوا سینے میں چراغِ ایثار

تونے دیکھا بھی رُخِ انجمنِ نیم شبی

دل میں بھڑکی بھی کبھی آتشِ یزدان طلبی

کبھی اشکون نے بجھائی بھی تری تشنہ لبی

کبھی آہون نے شکستہ کیا سازِ پندار

(۹)

رُخ ہوا بھی کبھی قربانگہِ ملت کی طرف

دل مین انوارِ سعادت کے کچھ آثار بھی ہین

تابشِ سوزِ محبت کے کچھ آثار بھی ہین

عشقِ خورشیدِ رسالت کے کچھ آثار بھی ہین

سر جھکا بھی کبھی ارشادِ نبوت کی طرف

(۱۰)

کس قدر شعلہ بداماں ہو گدازِ ہستی

قلب مین عشقِ محمدؐ کی تپش کتنی ہے

درد مین رحمتِ عالم کی کشش کتنی ہو

سوز کتنا ہے محبت کی خلش کتنی ہو

کتنا بشکستہ و بیتاب ہے سازِ ہستی



(۱۱)

کیون ہو افسردہ و خاموش تو اے روحِ حزین

رازِ غم چھپ نہ سکے گا تری خاموشی سے

درد پیدا ہے ترے رنگِ فراموشی سے

سخت مغموم ہے تو شرمِ خطا کوشی سے

جیسے اندوہِ ندامت کے سوا کچھ بھی نہین

(۱۲)

کب تک اے روح پشیمان غمِ پیہم تجھکو

شدتِ رنج و تاسف سے گرانبار ہو تو

ایک اندوہِ مسلسل مین گرفتار ہے تو

کیا نہین یاد؟ غلامِ شہِ ابرار ہے تو!

کھینچ لے گی کششِ رحمتِ عالمؐ تجھکو

جاگ اے روح گران خوابیٔ دیرینہ سے

تازہ کر عشق کو بیتابیٔ دیرینہ سے

—— ·<·:·>· ——

# شورِ نشور

از جناب نشور واحدی

مین نظر نظر پہ مچل گیا مین قدم قدم پہ ٹھہر گیا،
تری کائناتِ شباب مین مین جوان ہو کے جدھر گیا

یہ خرامِ ناز پہ مٹ گیا وہ شبابِ عمر پہ مر گیا
جو جوانیون سے گذر گیا وہ قیامتون سے گذر گیا

مری زندگی کا نفس نفس تجھے دیکھنے میں گذر گیا
تجھے دیکھتے ہوئے جی سکا تجھے دیکھتے ہوئے مر گیا

دل و دلربا کا وہ ساتھ ہو کہ اڑی تو دونون ہی اڑ گئے
مری آہ تا بفلک گئی، ترا حسن تا بقمر گیا

مین پرکھ رہا ہون بہار کو مجھے گلستان کی خبر نہین
ترا حسن دیکھے نظر گیا، ترا جلوہ دیکھے نظر گیا

یہ فلک بھی تھا، یہ زمین بھی تھی مگر اک شباب کی تھی کمی
تری زلف تا بہ کمر گئی، تو جہانِ حسن سنور گیا

ہے جمالِ یار میں جزر و مد جو مثالِ نغمۂ زیر و بم
یہ تغیراتِ شباب ہین، یہ نشہ نہیں کہ اتر گیا،

مری رات آج وہ رات ہو کہ قمر نہیں کہ سحر کرون
مری رات ایک وہ رات تھی کہ سحر ہوئی تو قمر گیا

یہ محبتون کا اثر ہے کیا! کہ نشور ایک نگاہ مین
جو طرب فزا تھا ابھی ابھی وہی نغمہ درد سے بھر گیا

# بابُ التقریظ والانتقاد

## بہارستان[1]

از مولانا عبد السلام ندوی

یہ مولانا ظفر علی خان کے مجموعۂ کلام کا نام ہے، جو اردو اکیڈیمی پنجاب کی طرف سے ۱۹۳۷ء مین شائع ہوا ہے، اس لئے اسکی اشاعت پر ایک کافی زمانہ گذر گیا ہے، اور کتابون پر ریویو لکھنے کا جو معمولی طریقہ ہے، اوس کے لحاظ سے اب وہ خارج از میعاد ہو چکا ہے، لیکن مولانا ظفر علی خان کی شاعری بذاتِ خود وقت و زمانہ کی پابند نہین ہے، اور ادبی حیثیت سے اس پر ہر وقت اور ہر زمانہ مین ریویو لکھا جا سکتا ہے، اور اس وقت ہم کو اون کی اسی لازوال شاعری پر ریویو لکھنا ہے،

موجودہ زمانہ مین شعرا کے کلام کے جو مجموعے شائع ہوتے ہین، ان کا طرز یہ ہوتا ہے، کہ ابتدا مین شاعر کی تصویر بلکہ بعض حالات مین جا بجا بچپن، جوانی اور بڑھاپے ہر زمانہ کی تصویرین ہوتی ہین، پھر شاعر کے حالاتِ زندگی اور کلام پر تقریظ و تنقید ہوتی ہے، جس کو کبھی تو خود شاعر ہی لکھتا ہے، اور کبھی دوسرون سے لکھواتا ہے، اور بعض اوقات یہ سلسلہ اس قدر

[1] ضخامت:۔ ۸۲۰ صفحے، قیمت:۔ مجلد ۵ر، پتہ:۔ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور،



طول پکڑ جاتا ہے کہ اس قسم کی مداحانہ یا ناقدانہ تحریرون کی ضخامت اصل مجموعۂ کلام سے بھی بڑھ جاتی ہے، لیکن مولانا ظفر علی خان کے مجموعۂ کلام کی ضخامت اگرچہ آٹھ سو صفحات سے زیادہ کی ہے، تاہم ان صفحات کی وسعت اور پھیلاؤ کو ان کے کلام ہی نے گھیر لیا ہے، تقریظ و تنقید اور سوانح و حالات سے انھون نے اس مجموعہ کی ضخامت نہین بڑھائی ہے، ابتدا مین صرف ان کی تصویر ہے، اسکے بعد نظم مین ایک تقریب ہے، جو مولانا حالی کی کہی ہوئی ہے، لیکن اس کو بھی انکی شاعری سے کوئی سروکار نہین ہے، بلکہ اس مین صرف ان کے ذاتی اور اخلاقی محاسن گنائے گئے ہین، غرض شاعرانہ تقریظ و تنقید کے لحاظ سے اس مجموعہ کے صفحات بالکل خالی ہین، اس لئے اگر کوئی شخص ان کے کلام پر ریویو لکھنا چاہے، تو اس کے لئے اظہارِ رائے کے لئے ایک کفِ دست چٹیل میدان مل جاتا ہے، اور ریویو نگار کو یہ دقت پیش نہین آتی، کہ وہ اصل مجموعہ کے دوسرے نقادون کی ہمزبانی کرے، یا اون سے بچ کر اپنا کوئی دوسرا راستہ نکالے، غرض وہ دوسرون کی موافقت اور مخالفت سے آزاد ہو کر اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کر سکتا ہے، اور ہم اس وقت اسی بے لاگ رای کا اظہار کرنا چاہتے ہین،

مولانا ظفر علی خان کا کلام دورِ جدید کی پیداوار ہے، اور دورِ جدید مین قدیم شاعری پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے، کہ وہ مضمون اور اسلوبِ بیان دونون حیثیتون سے ایک محدود چیز ہے، غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ چند صنفین ہین، جن پر تمام قدیم شعرا نے اپنی دماغی طاقتین صرف کر دی ہین، اور انہی گھروندون مین پھنس کر رہ گئے ہین، حالانکہ موجودہ زمانہ کی ضرورت اور خود شاعری کی وسعت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ع

کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیان کیلئے

جدید شاعری کی تمام تر بنیاد اسی تخیل پر قائم ہے، لیکن با اینہمہ دورِ جدید کا کوئی شاعر اپنے آپ کو پرانے قیود و حدود سے بالکل آزاد نہین کر سکا ہے، قدیم شاعری کی سب سے زیادہ مبتذل صنف غزل

سمجھی جاتی ہے، اور موجودہ دور میں اگرچہ غزل میں بہت کچھ اصلاحیں ہو چکی ہیں تاہم اس مبتذل صنف کی دلفریبیاں اب تک بدستور قائم ہیں، اور موجودہ دور کے بہت سے شعرار کا مایۂ ناز صرف یہی صنف ہے، اس محدود دائرے سے نکل کر شاعرانہ زور آزمائیوں کے لئے جو نئے نئے میدان پیدا کئے گئے ہیں، وہ زیادہ تر انگریزی شاعری کی تقلید ہیں، مناظرِ قدرت مثلاً پہاڑ، دریا، جنگل وغیرہ پر کچھ نظمیں لکھی گئی ہیں، کچھ نظمیں سیاسی، کچھ اخلاقی اور کچھ مذہبی، غرض اسی قسم کے متفرق مضامین پر متعدد شعرا نے نظمیں لکھی ہیں، اور انہی نظموں کے مجموعہ کو جدید اردو شاعری کے لقب سے پکارا جاتا ہے، لیکن ایشیا اور یورپ دونوں کی تقلید سے آزاد ہو کر جس شخص نے اردو زبان کی جدید شاعری میں وسعت پیدا کی ہے، اور اس کو غیر محدود مضامین کا مجموعہ بنا دیا ہے وہ مولانا **ظفر علی** خان ہیں، غزل کی ضرورت صرف اسلئے تسلیم کی گئی ہے، کہ انسان کے دل میں ہر وقت سیکڑوں مفرد اور بسیط خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، جن پر طویل نظمیں نہیں لکھی جاسکتیں، اور وہ صرف غزل کے مفرد اشعار میں ادا ہو سکتے ہیں، لیکن بعینہٖ اسی طرح دنیا میں ہزاروں مذہبی، اخلاقی، سیاسی، اور اسی قسم کے دوسرے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، جن کا اظہار نہ تو دو ایک شعر میں ہو سکتا نہ اس پر طویل نظمیں لکھی جاسکتیں، تاہم وہ شاعری کی گرفت میں آسکتے ہیں، اور ان کے نظم کرنے پر صرف وہی شخص قدرت رکھتا ہے، جو انتہا درجہ کا قادر الکلام ہو، اور اسکی شاعری کا دائرہ محدود نہ ہو، مولانا ظفر علی خان اسی قسم کے قادر الکلام شاعر ہیں، ان کی شاعرانہ طاقت کے اظہار کیلئے صبح کا سہانا وقت، شبِ ماہتاب کی دلفریبی اور گوشۂ چمن کی خلوت نشینی بالکل غیر ضروری چیزیں ہیں، وہ ایک سدابہار شاعر ہیں، اور ہر وقت اور ہر موضوع پر نظم لکھ سکتے ہیں، دورِ جدید کے اور شعرا کے کلام کی اگر تحلیل کیجائے، تو وہ چند محدود مضامین کا مجموعہ ہوگا، لیکن مولانا ظفر علی خان کے اس مجموعۂ کلام کی فہرست پورے سولہ صفحے میں آئی ہے، اور نظموں کی مجموعی تعداد ۶۵۰، ہے،



جن سے قیاس ہو سکتا ہے، کہ انہوں نے کتنے غیر محدود واقعات اور خیالات پر نظمیں لکھی ہیں لیکن یہ واقعات اور خیالات محض فرضی نہیں ہیں، بلکہ ہندوستان، یورپ اور دنیاے اسلام میں جو سیاسی، مذہبی اور اخلاقی حالات پیش آئے ہیں، ان سب پر انہوں نے کوئی نہ کوئی نظم لکھدی ہے، اس لحاظ سے ان کا یہ مجموعۂ نظم گویا اس دور کی مجموعی تاریخ کے ابواب و فصول کا ایک مجموعہ بن گیا ہے، اور ان کو پیشِ نظر رکھکر اس دور کی قومی سیاسی مذہبی تاریخ کا ایک مکمل خاکہ تیار کیا جاسکتا ہے،

واقعات کے تنوع اور مضامین کی بوقلمونی کے ساتھ مولانا ظفر علی خان نے شاعرانہ حیثیت سے بھی اردو شاعری میں بہت زیادہ وسعت اور رنگینی پیدا کی ہے، چونکہ ابتدا ہی سے اردو شعرا چند محدود اصنافِ شعر میں طبع آزمائی کرتے چلے آتے تھے، اس لئے انہوں نے قافیوں اور ردیفوں کو بھی محدود کر لیا تھا، اور ان کے علاوہ جتنے قافیے اور ردیفیں تھیں، سب بیکار ہو گئی تھیں، یورپ میں جو شاعر اپنی زبان کے جس قدر زیادہ الفاظ و محاورات استعمال کرتا ہے، اسی قدر اس کی قادر الکلامی کا اظہار ہوتا ہے، اس اصول کے لحاظ سے جو شاعر اپنے کلام میں جس قدر زیادہ نئے قافیوں اور نئی ردیفوں کا استعمال کرتا ہے، اسی قدر ہمارے نزدیک اس کی قادر الکلامی ثابت ہوتی ہے، اردو شعرا میں میر اکبر حسین الہ آبادی نے اپنی ظریفانہ نظموں میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس قسم کے نئے قافیے اور نئی ردیفیں استعمال کی ہیں، لیکن مولانا ظفر علی خان نے اس میں اور بھی زیادہ وسعت پیدا کی ہے، اور ہزاروں قافیے ایسے استعمال کئے ہیں، جو آج تک حدودِ شاعری سے خارج سمجھے جاتے تھے، مثلاً

کرے گا گیا وہاں جرنل کنّا وا — جہان بگڑا ہو سب آوے کا آوا
پھٹے گا کوئی دم میں کوہ اٹنا — بہا دے گا تمام اُبلی ہیں لاوا

ڈالا کسی نے ڈاکہ، مارا کسی نے چھاپا — رٹتے ہیں زار و وکٹر درسِ جناب پاپا

روتی ہے تجھ کو یورپ افریقہ کی میتی
اور تجھ کو پیٹتا ہے ایران کا رنڈاپا،

بسکہ تھا تثلیث عنوان دین قسطنطین کا
پڑھ گیا آکر سبق انگورہ میں واٹیکن کا

کہدو آغا خان سے اب لاٹھی ہی کچھ کام آئیگی
بھینس کے آگے ہوئے مصرف بجانا بین کا

نکل جائیں گے تکلے کی طرح بل
کسی دن کابلی بلوائیون کے

ہوا میں ایک دن اڑتے پھرینگے
پہاڑان ننھی ننھی رائیون کے

کفر کے فتوے ہاتھ میں لیکر آئے ہین پیر و صوفی و ملا
دین مبین کی عظمت و شوکت ہونے لگی ہو غائب غلا

اے مرے مولا دو رہنین ہو اُنسے تری تقدیر کا ڈنڈا
گاڑ دو ان کی قبر پہ یارب غازی امان اللہ کا جھنڈا

روس زخمی ہے، تو المانیہ ہے بے پر و بال
رہا اٹلی سو ہی بیچارہ کی اکھڑی ہوئی سانس

پھرتے ہین اہل فلسطین بھی باندھے ہوئے لٹھ
اور بریلی سے چلے جارہے ہیں بانس پہ بانس

سنگھٹن کے صدر دفتر میں بجا جس وقت سنکھ
گھس گئے چارون طرف سے آکے پانی پت مین جاٹ

ریت کے تودے سے بڑھکر بھس بھسی ثابت ہوئی
مالوی جی جس کو تھے سمجھے ہوئے لوہے کی لاٹ

پھر انکو بے چلیں شدھی کے بنیونکی دوکانیں
چلن جن کا ہو سودا تولنا اور مارنا ڈنڈی

جنھین لینی ہو گالی دے ہیں پرتاب ایک آنے مین
کہ سستا کر چکی ہو بھاؤ اپنا کفر کی منڈی

حکومت کیا کروگے لیکے انگریزون سے نادانو
بجاؤ مسجدون کے آگے باجا، گائے کو پوجو،

وطن اور اسکی آزادی سے ایسی بھی عداوت کیا
کہ آنگریسے پھر کر لاجپت کی رائے کو پوجو،

خدا کا نور مالابار سے پھیلا ہے خیبر تک
جو آنکھین ہو تو اس کو ورنہ اسکے سایے کو پوجو،

مالوی بھی علتی، اور مولوی بھی علتی
حرف علت گر نکل جائے تو پھر ملت ہو ایک

رنج و راحت مین برابر کے ہون دونون حصہ دار
ننگ و ناموس ایک ہو اور عزت و ذلت ہو ایک

متحد ہو جائین باہم سارے مسلم اور ہنود
تفرقے مٹ جائین انکے کثرت و قلت ہو ایک



ڈھانپ لے دونون کو دامن رحمت اسلام کا
کیمیا خانے کے اندر حرمت و حلت ہو ایک

ہوا اسلامیوں میں جذبۂ حب وطن پیدا
تو اس جذبہ کا سہرا ہی اسی مسکین کے سر پہ

خدا وہ دن کرے صدقے مین پیغمبر کی عزت کے
کہ رکھون تاج دنیا کا مین تاج الدین کے سر پہ

مسلمانون کا مستقبل ہے روشن لو دھیانہ مین
کہ ہے بار امانت سید یٰسین کے سر پہ

اگرچہ اس قسم کی ردیف و قوافی کے استعمال کرنے سے بعض جگہ سنجیدگی کا سر رشتہ اون کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تاہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے، کہ یہ مجموعۂ کلام سنجیدہ مضامین اور سنجیدہ طرز بیان سے خالی ہے، بلکہ انھوں نے اسی جوش، اسی روانی، اور اسی برجستگی کیساتھ سنجیدہ مضامین بھی معمولی ردیف و قوافی مین ادا کئے ہین مثلاً

وطن کو مین چمنستان بنا کے چھوڑون گا
اور اسکی صبح کو خندان بنا کے چھوڑونگا

ہر ایک وقت کے دارا کو اور سکندر کو
مین اپنے قصر کا دربان بنا کے چھوڑونگا

مین نام لے کے محمدؐ کے زیر دستون کا
حریف رستم دستان بنا کے چھوڑونگا

ادب نماز کے اوقات کا وہ سیکھے گی
مین کانگرس کو مسلمان بنا کے چھوڑونگا

لہو شہید کا لون گا، اور اس کی سرخی کو
مین غازۂ رخ ایمان بنا کے چھوڑونگا

وہ مشکلیں جنھیں حل جبر کر نہیں سکتا
بزور صبر انھین آسان بنا کے چھوڑونگا

وہ جس کی شان ہے لیس کمثلہ شئی
چھپا بھی ہے تو سراپردۂ ظہور مین ہے

برنگ دور قمر جلوہ اس کی قدرت کا
کبھی سنین مین ہے، اور کبھی شہور مین ہے

کبھی کبھی ہے وہ اوج سحر پہ تابان
کبھی کبھی وہ خرامان سواد طور مین ہے

کہین فسانہ وہ یعقوبؑ کا ہے کنعان مین
کہیں ترانہ وہ داؤدؑ کا زبور مین ہے

شرار جستہ کی شکل اوس کے وہم کا پرتو
تڑپ رہا مرے خاکستر شعور مین ہے

جو اسکو صورتِ اصلی مین دیکھنا چاہو، محمدؐ عربی کی جبیں کے نور مین ہے،

جدید وضع کے سانچے مین ڈھلتے جاتے ہین، ہمارے طور طریقے بدلتے جاتے ہین،

دکھائی ہے ہمیں تہذیبِ مغربی نے جو ڈگر، ہم آنکھ بند کئے اس پہ چلتے جاتے ہین،

بھڑک رہا ہے کچھ اس جوش سے تنورِ فرنگ کہ دین کی برف کے تودے پگھلتے جاتے ہین،

دیارِ غرب کی مٹی کچھ ایسی چکنی ہے، بڑے بڑون کے قدم بھی پھسلتے جاتے ہین،

محمدؐ عربی کا یہ معجزہ سمجھو اگر عرب کے مسلمان سنبھلتے جاتے ہین،

واقعات کے تنوع کے لحاظ سے اگرچہ مولانا ظفر علی خان کے کلام مین ہمواری اور یکرنگی نہین ہے، بعض نظمون مین جابجا رکیک و ثقیل الفاظ موجود ہین، بعض نظمون میں خیالات بھی پست ہین، تاہم انکی بہت سی نظمیں ایسی بھی ہین، جو فصاحتِ الفاظ اور متانتِ بیان کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہین، مثلاً

کچھ آج اپنی مصیبت کا ماجرا کہئے مگر جو کہئے وہ سچ کہئے اور بجا کہئے،

ہر اک جفا کی حقیقت الگ الگ لکھئے ہر ایک ظلم کا قصہ جدا جدا کہئے،

کبھی خود اپنے چمن کی بُرائیاں گنئے اور اس کو اپنی خرابی کی ابتدا کہئے

عرب کی خاک اوڑی ہو گیا عجم پامال ستم ہوئے ہین وہ اسلام پر کہ کیا کہئے

نہین رہا ہے دراندازیِ رقیب کا خوف اب اٹھئے بزم مین جو کہئے برملا کہئے

بقولِ غالب اگر پار اتر گئی کشتی خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے

یہ سوز و گداز کا موقع تھا اسلئے انھوں نے نرم و رقیق الفاظ اختیار کئے ہین، لیکن جوشِ بیان کے جن مواقع پر انھون نے متین و جزیل الفاظ استعمال کئے ہین، وہان بھی فصاحت کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، مثلاً شعرائے وقت کو خطاب کرکے کہتے ہین،

اے نکتہ ورانِ سخن آرا و سخن سنج اے نغمہ گرانِ چمنستانِ معانی



مانا کہ دل افروز ہے افسانۂ عذرا مانا کہ دل آویز ہے سلمیٰ کی کہانی

مانا کہ اگر چھیڑ حسینون سے چلی جائے کٹ جائے گا اس مشغلہ مین عہدِ جوانی

گرمائے گا یہ ہمہمۂ افسردہ دلونکو بڑھ جائیگی دریائے طبیعت کی روانی

مانا کہ ہین آپ اپنے زمانے کے نظیری مانا کہ ہر ایک آپ مین ہے عرفیِ ثانی

مانا کہ حدیثِ خط و رخسار کے آگے بیکار ہے مشائیون کی فلسفہ دانی

لیکن کبھی اس بات کو بھی آپنے سوچا یہ آپ کی تقویم ہے صدیون کی پرانی

معشوق نئے، بزم نئی، رنگ نیا ہے پیدا نئے خامے ہوئے ہین اور نئے مانی

گر شعر ہی کہنا ہے تو اس گُرز گران سے بنیاد ہمیں چاہیئے دنیا کی ہلانی

اے ہم نفسو یاد رہے خوب یہ تم کو
بستی نئی مشرق مین ہمیں کو ہے بسانی

مولانا کی شاعری گو دورِ جدید کی پیداوار ہے تاہم یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اصولِ فن کا سررشتہ ان کے ہاتھ سے کہیں نہیں چھوٹا، پنجاب کے اکثر شعرا پر حرف گیری بھی کی گئی ہے، مگر ظفر علی خان کا چمنستان اس خار و خس سے تمامتر پاک ہے، اون مین استادانہ قادر الکلامی ہے، اور خصوصیت کے ساتھ "ہجو ملیح" اور "طنز" ان کی شاعری کا اصلی میدان ہے، غرض مختلف حیثیتون سے یہ مجموعہ ہر مذاق کے لوگون کی دلچسپی کا سامان مہیا کر سکتا ہے، اور انھون نے حالی کے اس مصرع کو پیشِ نظر رکھکر اس کو مرتب کیا ہے،

بزم مین اہلِ نظر بھی ہین تماشائی بھی

———— ـــ ــــ ————

# مطبوعات جدیدہ

**تفہیمات** حصہ اول مولانا ابو الاعلیٰ مودودی تقطیع بڑی ضخامت ۳۵۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عا رغیر مجلد عہ، پتہ:- دفتر ترجمان القرآن لاہور،

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے قلم سے ترجمان القرآن مین جو مفید مذہبی مضامین نکل چکے ہین، تفہیمات ان کا مجموعہ ہے، اس مین جیسا کہ لائق مصنف نے لکھا ہے "اسلام کے ان مہمات مسائل کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، جن کے متعلق آج کل لوگون مین غلط فہمیان پھیلی ہوئی ہین" مثلاً ہدایت وضلالت کا راز، اسلام ایک علمی وعقلی مذہب ہے، اسلام مین عبادت کا تصور، جہاد فی سبیل اللہ، آزادی کا اسلامی تصور، رواداری، اسلامی قومیت کا حقیقی مفہوم، کیا نجات کے لئے کلمۂ توحید کافی ہے، ایمان بالرسالۃ، نبوتِ محمدی کا عقلی ثبوت، اتباع واطاعتِ رسول وغیرہ مختلف مذہبی و اسلامی مباحث پر چوبیس مضامین ہین، مولانا کا خاص متکلمانہ طرز یعنی زمانہ کے مذاق ورجحان کا لحاظ کرتے ہوئے بغیر کسی تاویل کے اسلامی مسائل وتعلیمات کی عقلی ودلنشین تشریح جسے ماننے مین مخالفین کو بھی تامل نہ ہو، ان مضامین مین بھی نمایان ہے، مذہبی ذوق رکھنے والون کے لئے عموماً اور مذہب سے ناواقف تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے خصوصاً ان کا مطالعہ مفید ہے،

**مضامین محمد علی** حصہ دوم، مرتبہ جناب محمد سرور صاحب استاذ جامعہ، تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰۳ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ مکتبہ جامعہ نئی دہلی،



جناب مرتب اس سے پہلے مولانا محمد علی مرحوم کے سیاسی مضامین کا ایک مجموعہ شائع کر چکے ہین، اب انھون نے اس کا دوسرا حصہ شائع کیا ہے، اس مین ۲۵ء سے ۲۹ء تک کے ہمدرد کے چالیس بیالیس مضمون ہین، یہ زمانہ ہندستان کی سیاست مین بڑے مدوجزر کا تھا، اسی زمانہ مین ہندو مسلم اختلافات کا آغاز ہوا، ان مین لڑائیان ہوئین، ہندوستان کے دستور کی ترتیب مین باہم بدگمانی اور کانگریس سے بے اعتمادی پیدا ہوئی، اور یہ اختلافات اتنے بڑھے کہ ہندو مسلم اتحاد کا خواب پریشان ہوگیا، اسی زمانہ مین ہندوستان کے باہر اسلامی دنیا مین حجاز اور افغانستان مین انقلاب بپا ہوئے، یہ مضامین انھی واقعات وحالات سے متعلق ہین، لائق مرتب نے انھین ہندو مسلم مناقشات، ہندو مسلم اتحاد اور مسلم اقلیت کے تحفظ کی کشمکش، کانگرسی سیاست سے بے اعتمادی، روداد چمن، مسئلۂ حجاز، ہنگامۂ افغانستان وغیرہ مختلف عنوانون کے تحت مین سلیقہ کے ساتھ مرتب کر دیا ہے، اس لئے یہ مجموعہ گویا اس دور کے سیاسی مدوجزر اور ہندو مسلم مسائل کی پوری تاریخ ہے، اور اب بھی ان کی روشنی مین بعض مشکلات کے حل مین مدد مل سکتی ہے،

**حیات محمد عبدہٗ** مترجمہ جناب محمد مظہر الدین صاحب بی اے، تقطیع بڑی، ضخامت ۸۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت:- ۱۲ر، پتہ:- دفتر اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاجپورہ، لاہور،

---

ایک عیسائی مشنری چارلس ایڈمس نے مصر مین رہ کر وہان کی اصلاحی تحریکون کا بذاتِ خود مطالعہ کرنے کے بعد ان پر انگریزی زبان مین ایک کتاب "اسلام اینڈ ماڈرنزم ان ایجپٹ" لکھی ہے، اس مین سید جمال الدین افغانی کے نامور شاگرد اور مصر کے مشہور مصلح مفتی محمد عبدہٗ کے اصلاحی کارنامون پر بھی ایک باب ہے، اس مین ان کے حالات، اور ان کی تعلیمی، مذہبی اور معاشرتی اصلاحون اور سیاسی کارنامون پر مختصر مگر جامع تبصرہ ہے، اس سے مصر کی انیسوین صدی کی سیاسیات اور

دہان کے اصلاحی حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے، گویہ کتاب ایک عیسائی مشنری کی لکھی ہوئی ہے لیکن تعصب و تنگ نظری سے پاک ہے، لائق مترجم نے مفتی محمد عبدہٗ سے متعلق باب کا اردو مین ترجمہ کر دیا ہے، گویہ حالات ان کے کارنامون کے مقابلہ مین بہت مختصر ہین تاہم اس لحاظ سے غنیمت ہین، کہ اردو مین اس موضوع پر بہت کم لٹریچر ہے، ترجمہ صاف و سلیس ہے،

**قرآن اور اقبال** مرتبہ جناب مولوی ابو محمد مصلح صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۲ صفحے، کاغذ نفیس کتابت وطباعت پاکیزہ، قیمت مجلد عار، پتہ ادارہ عالمگیر تحریک قرآن حیدرآباد دکن، و تھانہ والا بلڈنگ چکلہ اسٹریٹ بمبئی نمبر ۳،

مفکر اسلام سر اقبال مرحوم کو کلام الٰہی سے جو شغف تھا، وہ ان کے آخری زمانہ مین عشق کے درجہ تک پہونچ گیا تھا، اسی کو وہ تمام انسانی سعادتون کا سرچشمہ تصور کرتے تھے، اور ان کی کوئی گفتگو کوئی تحریر و تقریر اس کے ذکر اور اسکی تعلیمات کی تبلیغ سے خالی نہ ہوتی تھی، انکی تعلیمات کی بنیاد اسی پر ہے، اسلئے ان کے کلام مین بکثرت قرآنی تعلیمات، اس کی آیات اور اس سے متعلق تلمیحات و اشارات ہین، مولوی ابو محمد مصلح صاحب عالمگیر تحریک قرآن نے اس کتاب مین ان کی تقریر، تحریر اور کلام کے ان حصون کو جن مین کسی حیثیت سے کلام اللہ کا ذکر آیا ہے، جمع کر دیا ہے، اس سے قرآن کے ساتھ مرحوم کے شغف کا اندازہ ہوتا ہے، اللّٰھم اغفر لہ بحبتہ کتابک العزیز۔

**شمس المعارف** مرتبہ جناب منظور الحق صاحب کلیم پرشین ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول شاہجہان پور تقطیع چھوٹی، ضخامت: - ۲۴۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت معلوم نہیں، مرتب سے ملے گی،

یہ کتاب مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم پھلواروی کے مکتوبات کا چوتھا حصہ ہے، اس مین ان کے صاحبزادون، اعزہ اور متوسلین کے نام تقریبًا سو خطوط ہین، ان مین سے بیشتر مذہبی و علمی معلومات



اور صوفیانہ لطائف و نکات پر مشتمل ہین، یہ خطوط معلومات اور دلچسپی دونون کے اعتبار سے پڑھنے کے لائق ہین، خصوصًا مرحوم کے متوسلین کے لئے درس سلوک کی حیثیت رکھتے ہین،

**رگبی کی زندگی**، مترجمہ جناب بسیر پرشاد ایم اے، عثمانیہ، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۳۹ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ: - مکتبہ جامعہ دہلی،

تعلیمی اصولون کے اعتبار سے رگبی کا پبلک اسکول انگلستان کے سارے ثانوی مدارس کیلئے نمونہ ہے، اس کے مشہور ہڈ ماسٹر مسٹر آرنلڈ کے ایک شاگرد رشید ٹامس ہیو نے ان اصولون یعنی سیرت سازی، نظام اور توسیع نصاب کی اشاعت کے لئے ایک طالب علم کی زبان سے ناول کے پیرایہ مین وہان کے طریقۂ تعلیم، نظام اوقات، بورڈنگ کی زندگی، طلبہ کے مشاغل و تفریحات، ان سے اساتذہ اور نگران کے تعلق وطرز عمل وغیرہ رگبی کی تعلیمی زندگی کے مختلف پہلوؤن کے نہایت دلچسپ حالات لکھے ہین، یہ کتاب خاص تعلیمی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، اس لیے تعلیم کے ان نظریون کے حامیون اور اوس کے طلبہ دونون کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے، ترجمہ سلیس ہے،

**دانہ و دام**، مؤلفہ جناب راجندر سنگھ صاحب بیدی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۳ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت، بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ: - مکتبہ اردو لاہور،

مصنف مقبول افسانہ نگارون میں ہین، ان کے افسانے رسالون مین اکثر نکلتے رہتے ہین، دانہ و دام ان کے چودہ افسانون کا مجموعہ ہے، آج کل کے افسانہ نگارون کے دو مرغوب موضوع ہین، سوشلزم کے متعلقات یا حسن و عشق، اس نے افسانہ نگاری کا میدان بہت تنگ کر دیا ہے، لیکن ان افسانون میں کافی تنوع اور ہر ذوق کے دلچسپ افسانے ہین، ان میں سے بیشتر انسانی فطرت کے بعض رخون اور روزمرہ کی زندگی کے واقعات خصوصًا دیہاتی معاشرت کے

بعض دلچسپ پہلوؤن کی کامیاب تصویرین ہین ان سے مصنف کی قدرتِ تحریر کے ساتھ اس کی قوتِ مشاہدہ اور جزئیات کے احاطہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے،

**ہمارے بزرگ** مؤلفہ جناب رشید اختر صاحب ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ:- کتاب خانہ سعادت بازار ڈوگران لاہور،

اس کتاب مین مؤلف نے چھوٹے بچون کیلئے خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات اور ان کی زندگی کے سبق آموز اخلاقی واقعات لکھے ہین، بچون کے لئے کتاب خاصی ہے، لیکن کہین کہین پر واقعات اور الفاظ کے استعمال مین احتیاط نہین برتی گئی ہے، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ مین مدینہ پر باغیون کا حملہ ص ۲۳ "لوگ حضور کو مارتے اور علی اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھون سے بچاتے" ص ۶۹ "اسماءؓ نے ایک چال چلی ص ۲۱ "بوڑھا (حضرت ابو بکرؓ کے والد) ٹھیکرون کو روپے سمجھکر خوش ہوگیا، ص ۲۱ "ایک دن صدیقؓ اور انکی بیگم صاحبہ مین جھگڑا ہوا، ص ۲۵" اور اس قسم کی خامیان ہین، لیکن ان سے قطع نظر کتاب بری نہین ہے،

**پانی کی کہانی**، مؤلفہ مولوی فیض محمد صاحب بی اے تقطیع چھوٹی، ضخامت ۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ:- ادارہ ادبیات اردو رفعت منزل خیرت آباد حیدرآباد دکن،

یہ کتاب ادارۂ ادبیات اردو کے سائنسی رسالون کے سلسلہ کا تیسرا نمبر ہے جس مین پانی کی زبان سے اس کی ماہیت، اس کے کیمیائی تغیرات، کرۂ زمین پر اس کے مختلف اثرات، جغرافی وموسمی تغیرات، نباتاتی اور حیوانی زندگی سے اس کے تعلق، صنعت وحرفت وغیرہ مین اسکی ضرورت کائنات ارضی مین اس کے مختلف مظاہر اثرات اور اسکے فوائد کو دلچسپ انداز مین بیان کیا گیا ہے، "م"

جلد ۴۷ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۱ء عدد ۲

## مضامین